

إِنَّ مِنَ الْبَيْانِ لِسْمَرًا

اِصْلَاهِیٰ تَهْرِیز

عمل پنجابی رے والی عالم فہم اور نکر انگریز قاریہ
علماء خطبیار اور عوام کے لیے بحث مفیدہ

جلد هشتم

مفتی عظیم پاکستان لائفیتی محمد فیض مع عثمانی ظہیر

- خدمتِ خلق اور سفارش کے فضائل
- پردہ پوشی و شادی بیان سے متعلق شرعی ہدایات
- ہکم کھارج آرے ہیں؟
- سفر رمہ راج
- اختلاف رحمت اقتراون رخمت
- تیز اہم شعبہ تعلیم تبلیغ چہاد
- کیا اسلام تواریک زور سے پھیلایا گیا؟
- شریعت و طریقت کا تلازم
- عالم اسلام کے حالات
- ایک اجمالی جائزہ
- موریشنس میز اسلامی حالات
- اور وقت کا تقاضا
- ختم بخاری شریف
- تفسیر احکام القرآن کو تکمیل

بیتُ العلوم



اصلاحی تقریبی

جلد ششم

اصلیٰ تحریریں

عمل پنجابیز والی عالم فہم اور نکر لیخنی قارئ
علماء خطباء اور عوام کے لیے بحث مفہم

جلد هشتم

مفہم اعظم پاکستان مولانا محمد رفع عثمانی علام

مرقب:
مولانا عبید الرحمن

بیتُ العلوم

۲۰۔ ناہر سرود، پورانی انارکلی لاہور، فون: ۳۵۱۲۸۳۷

﴿ جملہ حقیقت بحق ناشر حکومتیہ ہیں ﴾

نام کتاب: اصلاحی تقریریں

جلد: ہشتم

خطبات: حضرت مولانا مفتی محمد فیض عثمانی صاحب مدظلہ

ضبط و ترتیب: مولانا امیاز احمد صدیقی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)

باہتمام: محمد ناظم اشرف

ناشر: بیت الحکوم ۲۰ ناہدرود، پرانی انارکلی، لاہور

فون: ۷۳۵۳۸۲۳

﴿ ملنے کے کہتے ہیں ﴾

بیت الحکوم = ۲۰ ناہدرود، پرانی انارکلی، لاہور	بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارہ اسلامیات = ۱۱۱ انارکلی، لاہور	ادارہ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کوئٹہ کراچی نمبر ۱۳
ادارہ اسلامیات = مونہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی	کتب دارالعلوم = ڈاک خانہ دارالعلوم کوئٹہ کراچی نمبر ۱۳
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ۱۳	کتبہ سید احمد شفید = اگری بار کریٹ، اردو بازار، لاہور
ادارہ القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ۱۳	بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ۱۳

پیش لفظ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفع عثمانی مدظلہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مجھے جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو ”تقریریں“ کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں ”اصلائی تقریریں“ کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو شیپ ریکارڈ پر حفظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جودا العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور ”جامعہ اشرفیہ لاہور“ کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان شیپ شدہ تقریروں کو ضبط تحریر میں لا کر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کی سات مجلد کتابیں شائع کر کچے ہیں، اور اب چند مزید تقریروں کا مجموعہ ”اصلائی تقریریں (جلد ہشتم)“ کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے نیپ ریکارڈ سے نقل کرنے میں بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرف و قبولیت سے نوازے اور ان کے علم و عمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے نافع بنانا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور ”بیت العلوم“ کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالا مال کر دے۔

والله المستعان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿عرض ناشر﴾

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و پیر و دلکش ایک جانی پیچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آجنبات ملک کی مشہور دینی درسگارہ ”دارالعلوم کراچی“ کے مدھتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحق عارفی صاحب کے متاز اور اخض الخواص خلفاء میں سے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقع پر پر اثر اور لذیثین پیرائے میں ہر سڑک کے سامنے کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو ان قحط الرجالي کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی محبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہو جائیں میں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت و طریقت کا ایک حصہ ہیں

امتراج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ دری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مرتبی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمد للہ ”بیت العلوم“ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان اصلاحی، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام ”اصلاحی تقریریں“ کے نام سے شائع کر رہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول، دوم، سوم، چہارم، پنجم، ششم، اور ہفتم کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلد ہشتم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں حضرت کے کچھ بیانات لا ہور، کراچی اور دوسرے ملکی و غیر ملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط و ترتیب کا کام مولانا اعجاز احمد صدیقی (فضل جامعہ دار العلوم کراچی) نے انجام دیا ہے۔ اس میں حتی الواسع ضبط و ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات و احادیث کی تخریج بھی کر دی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرام مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ”بیت العلوم“ کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحیح عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں۔

آمین

والسلام

(محمد ناظم الشرف)

مدیر ”بیت العلوم“

﴿فہرست﴾

﴿خدمتِ خلق اور سفارش کے فضائل﴾

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	خطبہ مسنونہ	۱۲
۲	حدیث کا ترجمہ	۲۲
۳	مسلمانوں کی خدمت کرنے کی صورتیں	۲۲
۴	کم تخلواہ کے باوجود علماء کی مالی حالت اچھی کیوں ہوتی ہے؟	۲۳
۵	بے بوٹ خدمت کرنے والے ڈاکٹر	۲۳
۶	حکیم محمد مختار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ	۲۳
۷	دوسروں کی خدمت کے درجات	۲۶
۸	مسلمان کی بے چینی دور کرنے کے فضائل	۲۶
۹	کسی مسلمان پر آسانی کرنے کی فضیلت	۲۷
۱۰	سفارش اور اس کے فضائل	۲۸
۱۱	سفارش سننے والے کی ذمہ داری	۲۹
۱۲	پھر بھی سفارش کا ثواب مل جائے گا	۲۹
۱۳	سفارش کے اندر اصرار کرنا جائز نہیں	۳۰
۱۴	حضرت مفتی محمد شفیق اور حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول	۳۱

﴿پردہ پوشی﴾

۱۵	خطبہ مسنونہ	۳۵
۱۶	آیت کریمہ اور حدیث شریف کا ترجمہ	۳۶

۳۶	اسلامی آداب کا تقاضا	۱۷
۳۶	ہم میں سے ہر ایک اس کا حقانی ہے کہ	۱۸
۳۷	بعض صورتیں مشتبیہ ہیں	۱۹
۳۸	قرآن اور حدیث کا صرف ترجمہ چھاپنا درست نہیں	۲۰
۳۹	صرف زبان جانے سے کسی فن میں مہارت حاصل نہیں ہوتی	۲۱
۴۰	بھلا انہیں تفسیر لکھنے کا کیا حق ہے!	۲۲
۴۰	بلاشبہ اسلام سب کا ہے لیکن	۲۳
۴۰	خود اپنا گناہ ظاہر کرنے کی بھی اجازت نہیں	۲۴
۴۱	کھلمن کھلا گناہ کرنے والوں کے لیے معافی نہ ہونے کی وجہ	۲۵

شادی بیوہ سے متعلق شرعی ہدایات ﴿﴾

۴۲	خطبہ مسنونہ	۲۶
۴۳	مہینوں پہلے شادی کا بخار چڑھ جاتا ہے	۲۷
۴۴	نکاح کی تقریب و عظاوی نصیحت کا موقع نہیں	۲۸
۴۵	رسوم کی وجہ سے بیٹی زحمت بن گئی	۲۹
۴۶	نکاح کے خطبے میں پڑھی جانے والی آیات	۳۰
۴۷	ازدواجی تعلقات میں تقویٰ کی اہمیت	۳۱
۴۸	آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے گھر میں داخل ہوتے	۳۲
۴۹	ان چیزوں کا اہتمام "تقویٰ" کے بغیر نہیں ہو سکتا	۳۳
۵۰	بیوی باندی بن کر نہیں آتی	۳۴
۵۱	حضرت عارفیؒ کا عجیب معمول	۳۵
۵۲	تقریب شادی کے منکرات کے اثرات	۳۶

۵۵	انہا پسندی کیا ہے؟	۳۷
۵۵	حضرت عبد اللہ بن عمر و بن العاصؑ کا واقعہ	۳۸
۵۶	ماں باپ کی خدمت کے لیے بیوی کو حکم نہ دو	۳۹
۵۷	تبیخ میں ضرور جاؤ لیکن	۴۰
۵۸	خواتین بھی مردوں کے ساتھ تعاون کریں	۴۱

﴿ہم کہاں جا رہے ہیں؟﴾

۶۱	خطبہ مسنونہ	۶۲
۶۲	حدیث کا مفہوم	۶۳
۶۲	اسلامی برادری کی جان	۶۴
۶۳	عالم کفر مسلمانوں کی مظلومیت پر پریشان نہیں ہے	۶۵
۶۳	اس کی شکایت کس کے پاس لے کر جائیں؟!	۶۶
۶۴	مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کا نقصان زیاد ہوتا ہے	۶۷
۶۵	مسلمان کو قتل کرنا کسی مسلمان کا کام نہیں	۶۸
۶۵	کہاں پناہ ملے گی؟	۶۹
۶۶	کلمہ پڑھنے والا خواہ کسی تنظیم کا ہو، ہمارا بھائی ہے	۷۰
۶۶	اسلام کے خلاف عالم کفر کا اتحاد	۷۱
۶۷	یہ عہدے یہیں رہ جائیں گے	۷۲
۶۷	ان جرائم کا بنیادی سبب	۷۳
۶۹	اس قوم کو آزاد رہنے کا حق باقی نہیں رہتا	۷۴
۶۹	مسلمانوں کو حکومت کب ملے گی؟	۷۵
۷۰	ہمارے حصے میں غلامی کیوں آئی؟	۷۶

۷۱	محبت پیدا کرنے کے طریقے	۵۷
۷۲	دشمن کے اسباب اختیار کیے جا رہے ہیں	۵۸
۷۳	کب عقل آئے گی؟	۵۹

﴿سفر معراج﴾

۷۵	خطبہ مسنونہ	۶۰
۷۵	رجب کامہینہ برکتوں والا ہے	۶۱
۷۶	اس مہینے میں معراج کا واقع پیش آیا	۶۲
۷۷	واقعہ معراج کی کوئی نظر نہیں	۶۳
۷۸	معراج کی رات دیدا را ہی ہوا نہیں؟	۶۴
۷۸	آپ کتنی بلندی پر پہنچے	۶۵
۷۹	سفر معراج کس قدر تیز رفتار تھا؟	۶۶
۷۹	وہاں بھی امت کو یاد رکھا	۶۷
۸۰	معراج کا تحفہ	۶۸
۸۱	رجب کی کسی رات یادوں میں عبادت کی کوئی خاص فضیلت ثابت نہیں	۶۹
۸۲	کونڈے کی رسم کا دین سے کوئی تعلق نہیں	۷۰

﴿اختلاف رحمت، افتراق زحمت﴾

۸۵	خطبہ مسنونہ	۷۱
۸۶	تمہیدی کلمات	۷۲
۸۷	آیات خطبہ کا ترجمہ	۷۳
۸۷	یہودی سازشوں کے مقابلے کا طریقہ	۷۴

۸۷	قرآن مجید کا ایک خاص اسلوب	۷۵
۸۸	قرآن معيار حق ہے	۷۶
۸۹	اختلاف حدود کے اندر ہوتا مدد موم نہیں	۷۷
۹۰	بلاشبہ اسلام ایک ہے لیکن	۷۸
۹۱	اختلاف رحمت کیسے بنتا ہے؟	۷۹
۹۲	اختلاف کے باوجود تعظیم و تکریم	۸۰
۹۳	جنگ جمل و صفين سے متعلق اشکال و جواب	۸۱
۹۵	ایک اہم اصول	۸۲
۹۶	ایک عجیب بات	۸۳
۹۷	تین چیزیں	۸۴
۹۸	تفرق کے جواز کی کوئی صورت نہیں	۸۵
۹۸	ہی عن المکر کب ضروری ہے؟	۸۶
۹۹	حضرت ابوسعید خدریؓ کا واقعہ	۸۷
۱۰۰	عید کی نماز میں سجدہ کہ کیوں معاف ہے؟	۸۸
۱۰۱	خطیم کو بیت اللہ میں کیوں شامل نہیں کیا گیا؟	۸۹
۱۰۱	مسلمانوں کی تباہی کے دو اسباب	۹۰
۱۰۲	دو مذکروں میں کبھی اتحاد نہیں ہو سکتا	۹۱
۱۰۲	اپنا مسلک چھوڑ نہیں، دوسروں کا مسلک چھیڑ نہیں	۹۲
۱۰۳	خلاصہ	۹۳

﴿تین اہم شعبے تعلیم، تبلیغ، جہاد﴾

۱۰۷	خطبہ مسنونہ	۹۲
-----	-------------	----

۱۰۸	کفرستان آج دین کی سر بلندی کا سنگ میل	۹۵
۱۰۹	دین کی محنت را یگان نہیں جاتی	۹۶
۱۱۰	اگر یہ مختیں نہ ہوتیں.....	۹۷
۱۱۱	تین کام: سیرت نبوت کا خلاصہ	۹۸
۱۱۲	”إنذار“ کا مطلب	۹۹
۱۱۳	مولانا نالیاس رحمۃ اللہ علی کا خوف	۱۰۰
۱۱۴	کلی زندگی	۱۰۱
۱۱۵	مدنی زندگی	۱۰۲
۱۱۶	اسلام پوری دنیا کا سب سے بڑا مذہب بن گیا	۱۰۳
۱۱۷	جب یہ کام نہ رہے	۱۰۴
۱۱۸	داعیان اسلام اور علماء کرام کی قربانیاں رنگ لارہی ہیں	۱۰۵
۱۱۹	شاید انگلستان اسلام کی نشانہ ٹانیہ کا مرکز ہو	۱۰۶
۱۲۰	جهاد کے اثرات	۱۰۷
۱۲۱	تینوں دین کے راستے ہیں	۱۰۸

﴿ کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا یا گیا ہے؟ ﴾

	خطبہ مسنونہ	۱۰۹
۱۲۵	آیت کریمہ اور حدیث شریف کا ترجمہ	۱۱۰
۱۲۶	مستشرقین کون ہیں؟	۱۱۱
۱۲۶	مستشرقین کا اعتراض	۱۱۲
۱۲۷	ان کے اعتراضات کی ظاہری و لیلیں	۱۱۳
۱۲۸	یہ اعتراض کم فہمی یا دھوکہ دہی پر مبنی ہے	۱۱۴

۱۳۱	چہاد کی اقسام	۱۱۵
۱۳۲	اس موضوع پر ہمارے بزرگوں کی تصانیف	۱۱۶

﴿ شریعت و طریقت کا تلازم ﴾

۱۳۷	خطبہ مسنونہ	۱۱۷
	آیت کریمہ اور حدیث شریف کا ترجمہ	۱۱۸
۱۳۸	سب سے پہلا سوال یہ نشان	۱۱۹
۱۳۸	تقویٰ دل میں ہوتا ہے	۱۲۰
۱۳۹	گناہوں سے کیسے بچیں؟	۱۲۱
۱۴۱	شریعت اور طریقت کا مفہوم	۱۲۲
۱۴۱	ظاہری اعمال کا مدار باطن پر ہوتا ہے	۱۲۳
۱۴۲	شریعت تھیوری ہے اور طریقت پر کیشیکل	۱۲۴
۱۴۳	ایک نظریہ	۱۲۵
۱۴۴	شیخ طریقت ماہر نفیات ہوتا ہے	۱۲۶
۱۴۵	شاگرد اور مرید میں فرق	۱۲۷
۱۴۶	دس سال بعد حکمت معلوم ہوئی	۱۲۸
۱۴۸	کیا چاروں فقہی مذاہب کو جمع کر کے ایک مذہب بنایا جا سکتا ہے؟	۱۲۹
۱۴۸	سوال	۱۳۰
۱۴۸	جواب	۱۳۱
۱۴۹	نماز میں پاؤں ملانے کا حکم	۱۳۲
۱۴۹	ہیرے پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟	۱۳۳

۱۵۰	قصر نماز کتنی ہے؟	۱۳۲
۱۵۰	کیا کسی ایک امام کی تقید ضرری ہے؟	۱۳۵
۱۵۲	بآہی نار اضکلی اور عداوت کا حکم	۱۳۶
۱۵۳	پیر کی بے چوں و چراں پیروی کیوں؟	۱۳۷
۱۵۴	خواتین کے لیے مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم	۱۳۸
۱۵۶	ملازمت یا تجارت کی غرض سے امریکہ میں رہائش کا حکم	۱۳۹
۱۵۶	موجودہ زمانے کے یہودی و عیسائی اہل کتاب پیش یا نہیں؟	۱۴۰
۱۵۷	صحیح مرشد کی پیچان	۱۴۱
۱۵۸	ایک وقت تین طلاقیں دینے کا حکم	۱۴۲
۱۵۹	دوسرے شیخ کی بیعت کرنے کا حکم	۱۴۳
۱۶۰	دائرہ حمی کا شرعی حکم اور اس کی مقدار	۱۴۴
۱۶۰	دائرہ حمی کی حدود	۱۴۵
۱۶۱	اجتماعی قرآن خوانی کا حکم	۱۴۶
۱۶۱	سالگردہ منانے کا حکم	۱۴۷

﴿عالم اسلام کے حالات ایک اجمالی جائزہ﴾

۱۶۵	خطبہ مسنونہ	۱۴۸
۱۶۶	امید افزا صورت حال	۱۴۹
۱۶۶	اوپر کی سطح	۱۵۰
۱۶۹	انقلاب اسلام کی لہر	۱۵۱
۱۶۸	مغربی ممالک میں اسلامی لہر	۱۵۲
۱۶۹	اسلام کا خاص مزان	۱۵۳

۱۷۹	اس وقت تعلیم تو دینی مدرسون میں ہے	۱۵۲
۱۷۰	یہ بڑا سائنسیک طریقہ ہے	۱۵۵
۱۷۱	دینی مدارس، حفاظت دین کے قلعے	۱۵۶
۱۷۱	مکاتب قرآنیہ کا ایک خاص اثر	۱۵۷
۱۷۲	ترکیہ کا کام بھی ضروری ہے	۱۵۸
۱۷۳	درستے کی اصل ضرورت	۱۵۹

﴿موریش میں اسلامی حالات اور وقت کا تقاضا﴾

۱۷۷	خطبہ مسنونہ	۱۶۰
۱۷۸	آپ عالم اسلام سے بہت دور ہیں	۱۶۱
۱۷۸	برا عظیم افریقہ میں اسلام کیسے پہنچا؟	۱۶۲
۱۸۱	ہمارے موجودہ حالات خطرے کا الارم ہیں	۱۶۳
۱۸۱	دو خطرے	۱۶۴
۱۸۲	ایک اور خطرناک بات	۱۶۵
۱۸۲	یہی حالات ایکیں کے تھے	۱۶۶
۱۸۳	دو کام ناگزیر ہیں	۱۶۷

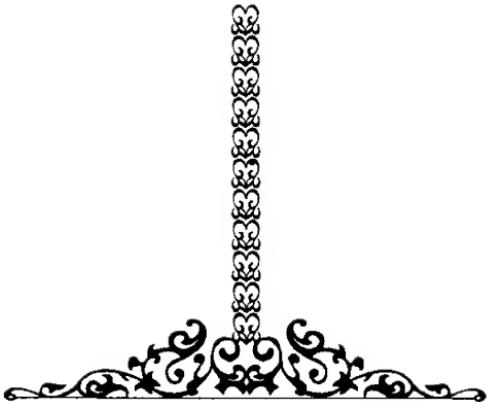
﴿ختم بخاری شریف﴾

۱۸۸	تعیینی سال کا اختتام	۱۶۸
۱۸۸	دو متضاد جذبات	۱۶۹
۱۸۹	ہرجت کی لذت الگ ہے	۱۷۰
۱۹۰	فارغ التحصیل ہونے کا مطلب	۱۷۱
۱۹۱	فقہ باطن ابھی باقی ہے	۱۷۲

۱۹۱	تعمیم میں ہمارے طلباء کی مشائی محنت اور لگن	۱۷۳
۱۹۳	مشائی عزم	۱۷۴
۱۹۴	زیر تعمیر جامع مسجد	۱۷۵
۱۹۵	تفسیر معارف القرآن کا انگریزی ترجمہ	۱۷۶
۱۹۶	تکملہ فتح الہم	۱۷۷
۱۹۷	دینی مدارس اور مغربی دنیا	۱۷۸
۱۹۸	جہاد اور جنگ قیدی	۱۷۹
۱۹۹	دعوت الی اللہ	۱۸۰
۲۰۰	اہل مدارس سے ایک درخواست	۱۸۱
۲۰۱	حضرت والدِ ماجدؒ کا ایک واقعہ	۱۸۲
۲۰۲	فرقہ واریت سے اجتناب ضروری ہے	۱۸۳

﴿تفسیر احکام القرآن کی تکمیل﴾

	خطبہ مسنونہ	۱۸۴
	آیت کریمہ اور حدیث شریف کا ترجمہ	۱۸۵
۲۰۷	تمہیدی باتیں	۱۸۶
۲۰۸	استنباط احکام میں اکابر کی محنتیں	۱۸۷
۲۰۹	ایک عام سوال اور اس کا جواب	۱۸۸
۲۱۰	قرآن کے لیے اعلیٰ درجہ کی مہارت کی ضرورت ہے	۱۸۹
۲۱۱	مقاصد بعثت رسول ﷺ	۱۹۰
۲۱۲	قرآن آسان ہونے کا مطلب	۱۹۱
۲۱۳	قرآن سے احکام نکالنا انتہائی مشکل کام ہے	۱۹۲



خِدمَتِ خَاقَّاً وَرِسْفَارِشَ كَفَضَائِل

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مذہب
مقام: جامع مسجد، جامع دارالعلوم کراچی
تاریخ: اپریل ۲۰۰۳ء
ترتیب و عنوانات: اعجاز احمد صہرائی

﴿خدمتِ خلق اور سفارش کے فضائل﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد لله نحمدُه و نستعينُه، و نستغفِرُه و نومن
بِه و نتوَكّلُ عَلَيْه و نعوذ باللهِ مِن شرورِ انفسنا و من
سيئاتِ اعمالنا . من يهدِه الله فلا مُضلال لَه و من
يضلَّه فَلَا هادِي لَه و نشهدُ أَن لا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وحدهُ
لا شريكَ لَه و نشهدُ أَن سيدنا و سَنَدنا و مولانا
محمدًا عبدُه و رسولُه صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى
آله و صحبِه اجمعين و سلمَ تسلیماً كثیراً كثیراً﴾

اما بعد:

﴿عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "الْمُسْلِمُ أخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُه
وَلَا يُسْلِمُهُ مَنْ كَانَ فِي حَاجَةٍ إِلَيْهِ كَانَ اللَّهُ فِي
حَاجَتِهِ﴾ (بخاری، باب لایظلم المسلم المسلم ولايسلمه، رقم

الحادیث: ۳۳۱، مسلم، باب تحريم الظلم، رقم الحدیث: ۲۵۸۰)

حدیث کا ترجمہ

بزرگان محترم اور برادران عزیز!

آج سے ہم جن ابواب کو شروع کر رہے ہیں ان میں یہ بتایا گیا کہ مسلمانوں کو آپس میں کس طرح سلوک کرنا چاہئے۔ ان میں سے پہلے باب کا عنوان ہے ”دوسرے مسلمانوں کی حاجتوں کو پورا کرنا“، اس سلسلے میں علامہ نوویؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی، جو اور پر بیان ہوئی اس کا ترجمہ یہ ہے:

”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اور اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا (یا اسے دشمنوں کے حوالے نہیں کرتا) اور جو شخص اپنے کسی بھائی کے کام لگا ہو، اللہ تعالیٰ اس کے کام میں لگ جاتا ہے۔“

مسلمانوں کی خدمت کرنے کی صورتیں

یہ کتنی عظیم الشان فضیلت ہے۔ ہم تھوڑی سی کوشش کر کے اس فضیلت کو حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اس کے حاصل کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ مثلاً ایک عالم دین ہے جو دن رات دین کے کاموں میں لگا ہوا ہے۔ اپنا ذاتی کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ کسی کو مسئلہ بتا دیا، کسی کو سبق پڑھا دیا، کہیں جا کر تقریر کر دی۔ کہیں نماز جنازہ پڑھا دی وغیرہ یہ شخص بھی اپنے بھائیوں کے کام میں لگا ہوا ہے بلکہ دوسروں کے مقابلے میں عظیم الشان کام ہے۔ کیونکہ یہ لوگوں کی دینی حاجتیں پورا کرنے میں لگا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق ایسے آدمی کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔

آپ دیکھیں گے تو ایسے بہت سے علماء اور صالحین ملیں گے جن کی ظاہری آمدی بہت تھوڑی سی ہے۔ کسی مدرسے میں پڑھاتے ہیں یا مسجد میں امامت و خطابت ہے۔ وہاں سے معمولی تخلوہ مل جاتی ہے لیکن ان کے اندر اخلاص و قناعت پائی جاتی

ہے۔ اور وہ محض اللہ کی رضا کیلئے دین کے کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ ڈیوٹی کے اوقات کی تو تنخواہ مل جاتی ہے۔ لیکن باقی کاموں کی کوئی تنخواہ مقرر نہیں، مفت میں یہ سب کام کرتے ہیں۔

کم تنخواہ کے باوجود علماء کی مالی حالت اچھی کیوں ہوتی ہے؟

آپ کو ان کی معاشی حالت ایسے بہت سے لوگوں سے زیادہ بہتر نظر آئے گی، جن کو اس سے دگنی تنخواہ ملتی ہے۔ ان کاموں میں لگنے والے خود بھی اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ایسے اسباب پیدا فرماتے رہتے ہیں کہ ان کی معاشی حالت بہتر رہتی ہے۔ اول تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کی تنخواہ میں اتنی برکت ہوتی ہے کہ دوسرا آدمی جو کام ایک ہزار میں کرتا ہے، اس کا یہ کام سو میں ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض مرتبہ دوسرے ذرائع آمد فی بھی پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً تجارت کا کوئی ذریعہ بن گیا۔ کہیں سے ہدیہ، تحفہ مل گیا وغیرہ۔

آدمی یہ سوچتا ہے کہ میں تو معمولی سی تنخواہ پر کام کر رہا ہوں۔ ملازمت کے علاوہ دوسرے اوقات میں مسلمانوں کے کام مفت کر رہا ہوں۔ یاد رکھیے! اللہ میاں کسی سے مفت کام نہیں لیتے۔ اس کا معاوضہ ضرور دیتے ہیں لیکن یہ نہیں بتلاتے کہ ہم کہاں سے دے رہے ہیں اور کس کام کا معاوضہ دے رہے ہیں؟ ادھر آپ نے مسئلہ بتایا، ادھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے کاروبار میں اچھا سا گاہک بھیج دیا۔ اگر آپ مسئلہ بتانے کی فیس مقرر کرتے اور مسئلہ بتانے پر وہ فیس وصول کرتے، اب مفت بتانی کی صورت میں وہ گاہک اس سے زیادہ پیسے دے کر جائے گا۔ یا کہیں سے تخفہ آجائے گا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ اس کا ضرور بدل دیتے ہیں۔

بے لوٹ خدمت کرنے والے ڈاکٹر

ای طرح اگر کوئی ڈاکٹر ہے اور وہ بے لوٹ ہو کر خدمت خلق کرتے ہیں تو اللہ

تعالیٰ انہیں اس کا بدل عطا فرماتے ہیں۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے ایسے بہت سے طبیب دیکھے ہیں کہ چھوٹی سی دکان ہے، بہت زیادہ فرنچ پر بھی اس میں نہیں ہے۔ سستی سی دوا دیتے ہیں۔ طبع اور لائق نہیں، بہت ذمہ داری سے علاج کرتے ہیں۔ صرف اتنے پیسے لیتے ہیں کہ گزارنا ہوتا ہے۔ بگلہ اور کارکی فنکرنیں کرتے اور نہ ہی ان کے دل میں اس کی تمنا ہوتی ہے۔ ایسے بندوں کو بھی اللہ تعالیٰ مختلف ذریعوں سے دیتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے ان کی گزر بر اچھی ہو جاتی ہے۔

حکیم محمد مختار صاحب کا واقعہ

ہمارے جانے والے ایک حکیم صاحب تھے۔ جناب حکیم محمد مختار صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ بڑے اللہ والے بزرگ تھے۔ دارالعلوم کے قبرستان ہی میں مدفون ہیں۔ مولانا جیب اللہ مختار صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو کچھ عرصہ نبوثاؤں مدرسہ کے مہتمم رہے ہیں ان کے والد تھے۔ بڑے ماہر طبیب تھے۔ عام طور پر ہم ان سے علاج کرایا کرتے تھے۔

جب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے پہلے دل کا سخت دورہ پڑا۔ ہسپتال کے ایک حصی وارڈ میں انہیں داخل کیا گیا۔ کئی دن تک بے ہوش رہے۔ میرے اکلوتے بیٹھے مولانا محمد زیر صاحب جواب دارالعلوم کے استاذ ہیں، اس وقت یہ بچے تھے۔ ان کو تائیفا نہ تھا اور وہ بھی شدید۔ والد صاحب کو دورہ پڑنے سے ایک روز پہلے انہیں ایک سو چھ بخار تھا، بلکہ شاید دورہ پڑنے میں یہ پریشانی بھی شامل تھی۔

والد صاحب کے ہسپتال داخل ہونے کے بعد ہماری ساری توجہ اسی طرف لگ گئی۔ زیر صاحب کے علاج کی طرف توجہ میں کی آگئی۔ ان کا بخار لمبا ہوتا گیا یہاں تک دو مینے تک ان کا بخار نہیں اترتا۔ ایک دن ان کا حال یہ تھا کہ ہم انہیں آوازیں بھی دیں تو بولتے نہیں تھے۔ آنکھیں بھی نہیں کھولتے تھے۔ کیونکہ غذا بالکل بند کر رکھی تھی۔ ایک طبیب نے یہ غلط مشورہ دیا تھا کہ غذا بالکل بند کر دیں اور دوادیتے رہیں۔ تمیں بختم سے غذائیں مل

رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں یہ کیفیت پیدا ہونی ہی تھی۔ اس وقت ہماری حالت بہت تشویش ناک ہو گئی۔ والد صاحب ہسپتال میں اور زیرمیان کی یہ کیفیت۔ جمعہ کا دن تھا۔ طے ہوا کہ میں یہیں رہوں گا۔ جمعہ کے بعد مولا ناقی صاحب ہسپتال جائیں گے اور حکیم مختار صاحب کو لے کر آئیں گے۔ چنانچہ مولا ناقی صاحب جمعہ کے بعد گئے اور حکیم مختار صاحب کو لے کر آگئے۔ انہوں نے کہا کہ بچے کی حالت جبست خطرناک ہو چکی تھی۔ ان کے کہنے پر فوراً نزم غزادی گئی جس سے زیر صاحب کی آنکھیں کھل گئیں۔

اس کے بعد انہوں نے باقاعدہ سے علاج شروع کر دیا پر ہیز، علاج اور غذا کا صحیح استعمال کیا گیا جس سے حالت روز بروز بہتر ہوتی چلی گئی۔ ایسے معلوم ہوا جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرا زندگی عطا فرمائی۔

انہی علاج کے دنوں میں جب کہ ابھی تک بخار ختم نہیں ہوا تھا اور مریض کی حالت نازک تھی۔ ایک مرتبہ یہ ہوا کہ ایک روز صحیح کی نماز کے وقت ہمارے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے باہر آ کر دیکھا تو حکیم مختار صاحب کھڑے تھے۔ فرمانے لگے کہ میں آج تہجد کے وقت گھر سے چلا تھا۔ (ان کا گھر ناظم آباد میں تھا) صدر میں آ کر مجرم کی نماز پڑھی اور پھر وہاں سے بس میں پڑھ کر یہاں آیا ہوں۔ میں نے کہا کہ خیریت تو ہے؟ فرمایا کہ رات آپ نے دوالانے کے لئے آدمی بھیجا تھا۔ میں نے زیر صاحب کے لئے جو دو ایسا کی تھی۔ آپ کا آدمی اسے لینے کے بجائے کسی اور مریض کی دوا اٹھا کر لے آیا۔ میں اس تشویش میں آیا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ وہ دوا اسے دے دیں۔ ان کی دوایہ ہے (اور پھر وہ دوامیرے حوالے کر دی)۔

آپ اندازہ کجھے؟ کیا آج کوئی طبیب ایسا ہے؟ آج کا ڈاکٹر تو یہی کہے گا کہ مریض مرتا ہے تو میرے اس میں میرا کیا قصور ہے؟ اور میری کوئی ذمہ داری بھی نہیں۔

واقع یہ ہے کہ غلطی ہمارے آدمی کی تھی لیکن معاملہ جان کا تھا، جس کے لئے انہوں نے اتنی تکلیف برداشت کی۔

طبیب اور ڈاکٹر بھی اگر مسلمانوں کی خدمت کے خیال سے لگا رہتا ہے، صرف لائق نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں بھی پوری کرتا ہے۔ آخرت میں تو اس کو نوازیں گے ہی، دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں روکتے نہیں ہیں۔ اس کی کار سازی کرتے رہتے ہیں۔ کر کے دیکھ لیں۔

اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دوسروں کی خدمت کا جتنا بھی موقع مل جائے، خواہ دینی خدمت ہو یا دنیاوی، بہت بڑے اجر و ثواب کی بات بھی ہے اور خود اللہ تعالیٰ کی مدد بھی حاصل ہوتی ہے۔

دوسروں کی خدمت کے درجات

پھر دوسروں کی خدمت میں بھی درجید رہے آجئی ہوتی ہے۔ دوسروں کی خدمت میں سب سے پہلا حق مال باپ کا ہے، پھر یہوی بچوں کا ہے، پھر بہن بھائیوں کا ہے، پھر پڑوسیوں کا ہے، پھر دوسرے مسلمانوں کا اور پھر غیر مسلموں کا۔ غیر مسلموں کا حق بھی ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ بس جانور بن کر رہو۔ ان کے ساتھ کوئی خیر کا معاملہ نہ کرو۔ غیر مسلموں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے کا بھی بڑا ثواب ہے کیونکہ انسانی برادری میں وہ بھی شامل ہیں۔

مسلمان کی بے چینی دور کرنے کے فضائل

حدیث کا دوسرا حصہ یہ ہے:

﴿وَمِنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كَرْبَةً فَرَّجَ اللَّهُ عَنْهَا كَرْبَةً مِنْ كَرْبَبَةِ يَوْمِ الْقِيَمَةِ﴾

”اور جو شخص کسی مسلمان سے کسی بے چینی کو دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ

(اس کے عوض میں) قیامت کی بے چینیوں میں سے اس کی کسی
بے چینی کو دور کریگا۔“

بعض مرتبہ انسان کسی بے چینی میں بنتا ہوتا ہے۔ مثلاً سر میں درد ہے، پیٹ میں تکلیف ہے، یہ بھی بے چینی ہے۔ اسی طرح کوئی بیمار ہے لیکن کوئی اس کی مدد کرنے والا نہیں۔ یا کوئی ظالم اس پر ظلم کرنے والا ہے اور اس کے پاس اپنے پچاؤ کی طاقت نہیں، جس کی وجہ سے وہ بے چین ہے۔ غرضیکہ جس طرح کی بھی بے چینی ہو، اگر کوئی مسلمان اس کی بے چینی کو دور کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی کسی بے چینی کو دور فرمائیں گے۔

اندازہ کیجئے کتنا عظیم الشان بدله ہے! دنیا کی بے چینی آخرت کی بے چینی کے مقابلے میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ دنیا کی بے چینی عارضی اور معمولی جبکہ آخرت کی بے چینی دائیٰ اور بہت زیادہ تکلیف دہ ہے۔ آج اگر کوئی شخص کسی کی یہ عارضی بے چینی دور کرے گا تو کل قیامت کے روز اس کا یہ عمل اس کے کام آئے گا اور اس کی ایک بہت بڑی بے چینی دور کی جائیگی۔

کسی مسلمان پر آسانی کرنے کی فضیلت

ایک حدیث میں ہے کہ:

﴿مَنْ يَسِّرَ عَلَىٰ مُعِسِّرٍ يَسِّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا

وَالآخِرَةِ﴾ (صحیح مسلم، باب فضل الاجتماع على تلاوة،

القرآن و على الذكر، رقم الحديث: ۲۶۹۹)

”جو شخص آسانی کرتا ہے کسی تنگدست پر (یا مشکل میں پہنچنے ہوئے پر)

تو اللہ تعالیٰ اس پر آسانی کرے گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔“

تنگدست پر آسانی کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص پر آپ کا قرض ہے۔ وہ غربت کی وجہ سے اسے ادا کرنے پر قادر نہیں۔ آپ نے اس کو مهلت دے

دی تو یہ اس کے لئے آسانی ہوئی۔ اس کا بدلہ آپ کو یہ ملے گا اللہ تعالیٰ آپ کے لئے دنیا میں بھی آسانیاں پیدا فرمائے گا اور آخرت میں بھی۔

”عصر“ کے ایک معنی ”مشکل میں بچنے ہوئے“ کے ہیں۔ مشکل میں بتنا شفٹ کے لئے آسانی پیدا کرنے پر بھی یہی فضیلت ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ مثلاً آپ کا کوئی ملازم ہے۔ روزے کا دن ہے۔ گرمی کا سخت روزہ ہے۔ اس میں آپ اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں۔ ایسا سخت کام اس کے ذمہ نہ لگائیں جس کو برداشت کرنا اس کے لئے مشکل ہو۔ انشاء اللہ، آپ کے لئے دنیا و آخرت میں آسانیاں ہوں گی۔

سفارش اور اس کے فضائل

دوسروں کی خدمت کرنے کی ایک صورت ”سفارش“ ہے۔ سفارش کے بہت سے فضائل قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

(مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنَ لَّهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا وَمَنْ

يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّنةً يَكُنَ لَّهُ كِفْلٌ مِّنْهَا) (النساء، ۸۵)

”جو شخص اچھی بات کی سفارش کرے اس کو اس (کے ثواب) میں سے حصہ ملے گا اور جو نری بات کی سفارش کرے اس کو اس (کے عذاب) میں سے حصہ ملے گا۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح کی سفارش کی جائیگی۔ اسی طرح کے نتائج ظاہر ہوں گے۔ اگر آپ نے کسی اچھے شخص کی سفارش کی اور کہا کہ یہ بڑا نیک آدمی ہے، اپنے فن کا مابرہ ہے، اسے آپ ملازم رکھ لیجئے یا کسی طالبعلم کی سفارش کی کہ یہ بڑا اچھا طالبعلم ہے، اسے اپنے مدرسہ میں داخلہ دے دیجئے اور واقعۃ ایسا ہے بھی، تو وہ جتنے اچھے کام کریگا اس میں آپ کا بھی حصہ ہو گا کیونکہ آپ اس کے ان نیک کاموں کا سبب بنے ہیں۔ اور اس کے برعکس اگر آپ نے کسی غلط کام کی سفارش کر دی اور اس

نے وہاں جا کر غلط کام کئے تو ان غلط کاموں میں آپ کا بھی حصہ لگے گا۔ اس لئے سفارش کرنے میں بہت احتیاط کرنی چاہئے۔ جتنی بات آپ کو معلوم ہے، اس سے زیادہ کے دعوے نہ کریں۔

سفارش سننے والے کی ذمہ داری

اور سفارش سننے والے کیلئے یہ ہے کہ جس کی سفارش کی گئی، اگر وہ واقعہ اس منصب کا اہل ہے تو اس کی سفارش قبول کر لے لیکن اگر اس کی نظر میں کوئی اور شخص اس سے زیادہ اس منصب کا اہل ہے تو اسے چھوڑ کر سفارش والے آدمی کو لینا ناجائز ہوگا۔

پھر بھی سفارش کا ثواب مل جائے گا

ایک حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی شخص اپنی کسی حاجت کے لئے آتا تھا تو آپؐ اپنے ہم نشینوں کی طرف توجہ کر کے فرماتے:

﴿إِشْفَعُوا تُوْجُرُوا وَيَقْضِي اللَّهُ عَلَى الْسَّانِ نَبِيَّهُ مَا أُحَبُّ﴾

(صحیح البخاری باب تحریض علی الصدقة والشفاعة

فیها، رقم الحدیث: ۱۳۶۵)

”تم سفارش کرو تمہیں اس کا اجر ملے گا پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے وہ فیصلہ کرائے گا جو پسند کرے گا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر سفارش کرنے والے کی سفارش کے مطابق عمل نہ بھی ہو تو بھی اسے سفارش کرنے کا ثواب مل جاتا ہے۔ آپؐ نے کسی مالدار آدمی سے غریب آدمی کی سفارش کی اور کہا کہ میں جانتا ہوں یہ بے چارہ بہت غریب ہے، اگر آپ اس کی مدد کریں گے تو بہت اچھا ہوگا لیکن اس نے مدنہ کی تو پھر بھی آپؐ کو سفارش کا ثواب مل جائیگا۔

سفرارش کے اندر اصرار کرنا جائز نہیں

لیکن سفارش کے معاملے میں یہ بات خوب یاد رکھنی چاہئے کہ شریعت کے اندر سفارش کی حدود ہیں۔ سفارش کرنے کی تو اجازت ہے۔ لیکن سفارش پر اصرار کرنے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقار صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے مال غیمت تقدیم فرمایا۔ حضرت سعد بن ابی وقارؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو میں جانتا تھا کہ یہ بڑا اچھا مسلمان ہے مگر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے اسے مال غیمت میں سے حصہ نہیں دیا۔ میں نے جا کر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے پچکے سے کہا کہ میرے نزدیک یہ پکا مومن ہے، اسے بھی آپ کچھ دے دیجئے۔ ایک لفظ انہوں نے ایسا بولا تھا جس کی رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے اصلاح فرمائی لیکن اسے کچھ دیا نہیں۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے پھر سفارش کی۔ آپؐ نے پھر اسی لفظ کی اصلاح کی اور اس بار بھی کچھ نہیں دیا۔ تیسری مرتبہ انہوں نے پھر سفارش کی تو آپؐ نے فرمایا:

﴿أَقْتَلَاً يَا سَعْدًا﴾ (صحیح مسلم، باب اعطاء من يخاف على

ایمانہ رقم الحدیث: ۱۰۵۸)

”اے سعد! کیا تم مجھ سے لڑائی کرو گے؟“

مطلوب یہ کہ کیا تم مجھ سے لڑائی کر کے زبردستی کا فیصلہ کراوے گے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ سفارش کے اندر اصرار کرنا جائز نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کے پاس آپ سفارش لے کر جاتے ہیں، اس کی بھی تو اپنی کچھ مجبوریاں اور مصلحتیں ہوتی ہیں، کچھ پابندیاں اور حدود ہوتی ہیں مثلاً ایک شخص ایک بہت بڑا ادارہ چلا رہا ہے اور آپؐ آکر اصرار کر رہے ہیں کہ فلاں صاحب بہت اچھے ہیں، اسے اپنے ہاں ملازم رکھ لیں، ہو سکتا ہے کہ اسے ملازم رکھنے میں ادارے کی مصلحت

نہ ہو کیونکہ ادارے کا سربراہ ہر پہلو پر غور کر کے فیصلہ کرتا ہے۔ اگر آپ اپنی سفارش پر اصرار کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ ایک آدمی کی تو خیرخواہی کر رہے ہیں لیکن دوسرے آدمی کو پریشان کر رہے ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیعؒ اور حضرت عارفؒ کا معمول

ہمارے والد ماجدؒ اور ہمارے مرشدؒ اکثر عبدالجی عارفؒ صاحبؒ دونوں بزرگوں کا یہ معمول تھا کہ اگر ان کے پاس کوئی سفارش کے لئے آتا کہ فلاں افسر یا فلاں وزیر آپ کے مقصد ہیں۔ آپ ان سے سفارش کر دیں کہ میرے بیٹے کو ملازم رکھ لیں یا فلاں کام کر لیں۔ تو یہ حضرات اولاً تو عام طور پر حکام کے پاس سفارش نہیں کرتے تھے۔ بے تکلف افسر ہوتا تو سفارش کر دیتے، لیکن اگر کسی افسر سے بے تکلفی نہ ہوتی تو اس کے پاس سفارش نہ بھیجتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ آج کل سفارش بہت بدنام ہو چکی ہے۔ تو سفارش کرنے میں یہ خطرہ رہتا کہ وہ سوچے گا اچھا ہم نے مولانا صاحب سے مسئلہ پوچھ لیا تھا یا ان کی مجلس میں جا کر بیٹھنے تھے تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب ہمارے پاس سفارش آنا شروع ہو گئی۔ اس طریقے سے وہ دینداروں کے پاس آنا ہی چھوڑ دیں گے جس سے دین کا نقصان ہو گا۔

اور بے تکلف افسروں کی طرف سفارش کرنے میں بھی اصرار نہیں کرتے تھے بلکہ اس طرح سفارثی رقہ لکھتے تھے۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

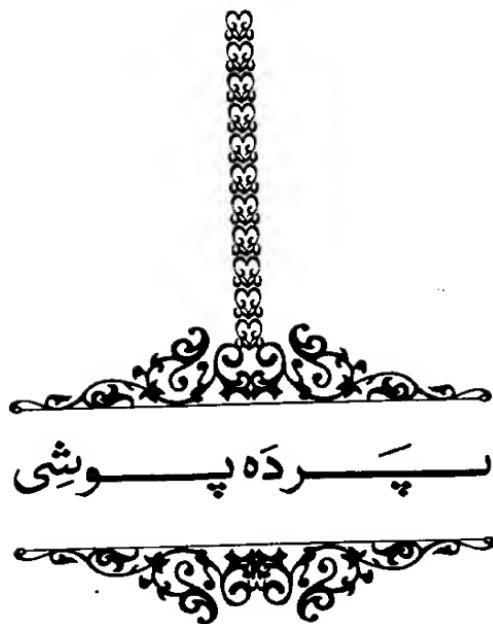
حال ہذا میرے دوست ہیں / عزیز ہیں یا رشتہ دار ہیں (جو تعلق ہوتا وہ لکھتے) ان کی فلاں حاجت ہے۔ اگر قانون کے خلاف نہ ہو اور آپ کی مصلحت کے خلاف بھی نہ ہو اور ان کا مام ہو گیا تو مجھے بہت خوشی ہو گی۔ میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔

والسلام

کبھی سفارش کے اندر یہ نہیں کہا کہ آپ یہ کام کر دیں بلکہ یوں فرماتے کہ اگر ان کا یہ کام ہو گیا تو بہت خوشی ہو گیتا کہ دوسرا شخص اس پر عمل کرنے میں تنگی محسوس نہ کرے۔

سفارش کا صحیح طریقہ بھی وہی ہے۔ جو ان بزرگوں نے اختیار کر رکھا تھا۔ اس سے مخاطب پریشان نہیں ہوتا بلکہ اس کی توجہ ایک مستحق شخص کی طرف دلا دی جاتی ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی خدمت خلق کرنے اور سفارش کے صحیح اصولوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے (آمین)۔

وآخر دعوانا أنالحمد لله رب العالمين.



پـ رـ دـ هـ پـ وـ شـیـ

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد فیض عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: جامعہ مسجد، دارالعلوم کراچی
تاریخ: ۱۴ جنوری ۲۰۰۷ء
ترتیب و عنوان: ایضاً راحمہ صداقی

﴿پروہ پوش﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد لله نحْمَدُهُ وَنستعينُهُ، وَنستغْفِرُهُ وَنُوْمَنْ
بِهِ وَنَسْوَّلُكُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شَرِّورِ انْفُسِنَا وَمِنْ
سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا . مِنْ يَهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضْلِلَ لَهُ وَمِنْ
يُضْلِلُهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشَهَدُ أَنَّ لِللهِ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ
لا شَرِيكَ لَهُ وَنَشَهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا
مُحَمَّداً عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَىٰ
آللَّهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا﴾

اما بعد:

﴿عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: لَا يَسْتَرِ
عَبْدٌ عَبْدًا فِي الدُّنْيَا إِلَّا سْتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (مسند
باب بشارة من ستر الله عليه في الدنيا بان يستر عليه في الآخرة ، رقم

الحادي: ۲۵۹۰)

آیت کریمہ اور حدیث شریف کا ترجمہ

بزرگان محترم اور برادران عزیز!

آج ہم جس بات کو شروع کر رہے ہیں، اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بلاعذر شرعی کسی مسلمان کے عیب کو بیان کرنا جائز نہیں۔ اس سلسلے میں علامہ نووی نے جو آیت ذکر کی، اس کا ترجمہ یہ ہے:

”جو شخص اچھی بات کی سفارش کرنے اُس کو اُس (کے ثواب) میں

سے حصہ ملے گا“۔ (سورۃ نہاد آیت: ۸۵)

اور جو حدیث سب سے پہلے بیان ہوئی، جسے میں نے خطے میں پڑھا، اس کا

ترجمہ یہ ہے:

”نہیں پر دہ پوشی کرتا کوئی بندہ کسی بندے کی مگر (اس کے بدالے)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پر دہ پوشی کرے گا۔“

اسلامی آداب کا تقاضا

اسلامی آداب اور تعلیمات کا تقاضا یہ ہے کہ اگر آپ کسی کو کوئی گناہ کرتے ہوئے دیکھیں تو اسے چھپائیں، کسی پر ظاہرنہ ہونے دیں بلکہ گناہ کرنے والے پر بھی ظاہرنہ ہونے دیں کہ میں نے تمہیں دیکھا ہے ورنہ اسے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو شخص اس طرح دوسروں کی پر دہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کا اجر اسے اس طرح دے گا کہ قیامت کے دن اس کے گناہوں کی بھی پر دہ پوشی کرے گا۔ یعنی ان گناہوں کو معاف کر دے گا اور کسی پر ظاہر بھی نہ کرے گا حتیٰ کہ فرشتوں کے سامنے بھی ظاہرنہیں کریگا۔

ہم میں سے ہر ایک اس کا محتاج ہے کہ.....

ہم میں سے ہر ایک اس بات کا محتاج ہے کہ ہمارے گناہ چھپے رہیں، ہم سب

گھنگار ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی گناہوں سے پاک نہیں ہے۔ کسی کے کم ہیں، کسی کے زیادہ ہیں۔ کسی کے چھوٹے ہیں، کسی کے بڑے ہیں۔ لہذا ہر شخص بھی چاہتا ہے کہ اس کا راز راز ہی رہے۔ خدا نخواستہ اگر سب کے راز کھل جائیں تو سب کے سب رسوایوں کو جائیں گے۔ سب ذلیل ہو جائیں گے۔ اپنے چھوٹوں کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے، اپنے شاگردوں کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے۔ اپنے مریدوں کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے حتیٰ کہ اپنے گھروں والوں کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے۔ اگر آپ دوسروں کے عیب چھپا کر انہیں ذلت سے بجا جائیں گے تو اللہ رب العالمین آپ کے عیب چھپا جائیں گے۔

بعض صورتیں مستثنی ہیں

شریعت کا اصل حکم تو یہی ہے لیکن بعض صورتیں اس سے مستثنی ہیں اور وہ یہ کہ مثلاً آپ کو معلوم ہے کہ فلاں شخص نے فلاں کے گھر میں چوری کر کے روپیہ بیسرے لوٹا ہے اور جس کی چوری ہوئی ہے، اسے معلوم نہیں کہ چوری کس نے کی ہے۔ اب اگر آپ چور کے عیب کو چھپائے رکھیں گے تو دوسرے شخص کا حق مارا جائے گا۔ ایسی صورت میں آپ کے لئے اس کا جرم چھپانا جائز نہیں بلکہ جس شخص کا مال چوری ہوا ہے، اس پر اس جرم کو ظاہر کرنا واجب ہے، کیونکہ یہاں اگر آپ چور پر حرم کرتے ہوئے اس کے عیب کو چھپائیں گے تو ایک بے گناہ کے اوپر قتل لازم آئے گا۔ جس شخص کی چوری ہوئی ہے، وہ اس معاملے میں بے گناہ اور مظلوم ہے اور شریعت کا حکم یہ ہے کہ تم مظلوم کی مدد کرو۔ یہاں مظلوم کی مدد یہ ہے کہ اسے چور کے بارے میں بتاؤ اور اگر ہو سکے تو پیسہ واپس دلوانے میں اس کا ساتھ دو۔

اسی سے ایک اور بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص صرف پردہ پوشی والی روایت کا ترجیح پڑھے گا تو اسے اس بات کی خبر نہیں ہو گی کہ اس سے کوئی صورت مستثنی ہے حالانکہ جو صورتیں مستثنی ہیں، وہ بھی کسی دوسرے انسان نے مستثنی نہیں کیں بلکہ خود

شریعت نے مستثنی کی ہیں کیونکہ شریعت نے مظلوم کی مدد کرنے اور بے گناہ کو حتی الامکان ظلم سے بچانے کا حکم دیا ہے۔ لہذا جب دونوں بالتوں کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو یہ نتیجہ نکلے گا کہ پرده پوشی کا حکم عام نہیں اور ہر جگہ کے لئے نہیں بلکہ اس کے اندر استثنائی صورتیں بھی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر دوسرے پر ظلم ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں اسے ظلم سے بچانے کے لئے مجرم کا عیب ظاہر کر دینا واجب ہے۔

اسی طرح اگر آپ کو معلوم ہے کہ فلاں آدمی نے یہ منصوبہ بنایا ہوا ہے کہ آج رات فلاں کے گھر میں ڈاکہ ڈالیں گے یا فلاں کو قتل کریں گے یا فلاں عمارت کو نقصان پہنچائیں گے وغیرہ اور آپ کو اس منصوبے کا پیشگی علم ہو گیا تو آپ پر لازم ہے کہ اس جرم کی اطلاع ان لوگوں کو دیں جو اس جرم کو روک سکتے ہیں۔ اگر آپ اس کی اطلاع نہیں دیں گے تو یہ بھی ایک طرح سے مجرمین کے ساتھ مدد ہو گی۔

قرآن اور حدیث کا صرف ترجمہ چھاپنا درست نہیں

اصل حکم اور اس کی استثنائی صورتیں جاننے سے ہمیں ایک اور سبق حاصل ہوا۔ وہ یہ کہ آج کل حدیث کی کتابوں کا اردو ترجمہ چھپ جاتا ہے۔ ان پر کسی عالم کی شرح لکھی ہوئی نہیں ہوتی۔ خوب سمجھ لیجئے! ہمارے بزرگ اس کی اجازت نہیں دیتے تھے کیونکہ کسی مستند عالم کی شرح کے بغیر اگر صرف ترجمہ شائع کیا جائے گا تو اس سے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہوں گی۔ ایک حدیث پڑھیں گے، دوسری حدیث سامنے نہیں ہو گی۔ اور پھر اس کے ظاہری معنی پر عمل کریں گے جس کے نتیجے میں بعض گناہوں میں مبتلا ہونے کا قوی اندازہ پیدا ہو سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ احادیث کو سمجھنے کے لئے یا تو استاذ کی ضرورت ہوتی ہے یا پھر مستند عالم دین کی لکھی ہوئی شرح کا مطالعہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ غلط فہمی کاشکار ہو کر آدمی کسی گناہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔

ای طرح بعض لوگ قرآن شریف کا صرف ترجمہ چھاپ دیتے ہیں۔ ہمارے بزرگ اس کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ترجمے کے ساتھ اس کے مختصر حواشی اور ترجمی نوٹس کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر صرف ترجمہ چھاپا جائے تو اس کی مختصر تشریح سامنے نہ ہونے کی وجہ سے عام آدمی غلط فہمی میں بستا ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے بزرگوں نے جتنے ترجمے کئے، ان کے ساتھ ساتھ مختصر حاشیے بھی ضرور لکھے۔

صرف زبان جانے سے کسی فن میں مہارت حاصل نہیں ہوتی

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ بعض وہ لوگ جنہوں نے عربی زبان میں کسی وجہ سے مہارت پیدا کر لی ہے مثلاً ایم اے عربی کیا ہے یا کسی عرب ملک میں برسوں رہے ہیں اور وہ عربی میں اچھا بول لیتے ہیں، اچھا لکھ لیتے ہیں لیکن باقاعدہ مستند عالم دین نہیں، تفسیر اور حدیث کے اندر مہارت حاصل نہیں کی، ایسے لوگ بعض مرتبہ قرآن مجید کا ترجمہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ درس قرآن دینا شروع کر دیتے ہیں یا تفسیر لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی عام طور پر غلطیوں کے مرتبک ہوتے ہیں حتیٰ کہ بعض مرتبہ بہت ہی غلطیاں کر دلتے ہیں۔

محض کسی زبان سے واقفیت حاصل ہو جانے سے آدمی کسی علم کا ماهر نہیں ہو جاتا۔ اس کی مثال سمجھیں مثلاً میڈیکل کی کوئی کتاب انگریزی میں ہو۔ اور کوئی شخص انگریزی میں توانی درج کی مہارت رکھتا ہے لیکن اس نے باقاعدہ میڈیکل نہ پڑھی ہو۔ وہ اس کتاب کا مطالعہ کر کے لوگوں کا ملاج کرنے لگے یا میڈیکل کالج میں جا کر کہے کہ میں اس کالج میں پسچار دے سکتا ہوں کیونکہ یہ کتاب انگریزی میں ہے اور مجھے انگریزی خوب آتی ہے۔ ڈاکٹری کی کتاب لکھ سکتا ہوں اور ڈاکٹری کی فلاں کتاب کی شرح بھی لکھ سکتا ہوں تو کوئی بھی اس کی بات ماننے کیلئے تیار نہیں ہو گا اور اگر وہ ایسا کرے گا تو خود بھی جہالت میں بستا ہو گا، دوسروں کو بھی نقصان پہنچاے گا، کیونکہ صرف زبان جانے سے کوئی

آدمی کسی فن کا ماہر نہیں ہو سکتا۔

بھلانہیں تفسیر لکھنے کا کیا حق ہے!

آج کل یہ بھی ایک رواج ہو گیا ہے کہ ساری زندگی تو گزری تجارت اور ملازمت وغیرہ میں۔ بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر رہے۔ اسیلیٰ کے رکن ہوئے، گورنر ہوئے، بعض لوگ وزیر اعظم بھی بن گئے، صدر بھی بن گئے۔ ریاست ہو گئے تو پہنچا کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھ رہے ہیں۔ تفسیر لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ دیکھ رہے ہیں، اس کے نیچے اپنی طرف سے تفسیر لکھ رہے ہیں۔ بھلانہیں تفسیر لکھنے کا کیا حق ہے جنہیں عربی بھی نہیں آتی!

بلاشبہ اسلام سب کا ہے لیکن.....

اگر ان سے کہا جائے کہ آپ یہ غلط کام کر رہے ہیں تو فرواجواب ملتا ہے کہ کیا اسلام پر صرف علماء ہی کا راجح ہے؟۔ اسلام تو ہم سب کا ہے تو جس طرح انہیں تفسیر لکھنے کا حق ہے، ہمیں بھی ہونا چاہئے۔

بلاشبہ، اسلام سب کا ہے، صرف مولویوں کا نہیں ہے لیکن تمہیں اسلام کا حلیہ بگاڑنے کی اجازت تو نہیں دی جاسکتی۔ اگر آپ قرآن کی تفسیر لکھنا چاہتے ہیں تو پہلے اس کا علم تو حاصل کریں۔ خوب سمجھ لجئے! استاذ کے بغیر کوئی آدمی کسی فن کا ماہر نہیں بنتا۔ اگر کوئی شخص ڈاکٹری کی کتابوں کا مطالعہ کر کے ڈاکٹر بننا چاہے یا انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے انجینئر بننا چاہے تو ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اسی طرح قرآن کی تفاسیر اور تراجم کا مطالعہ کر کے آدمی کبھی مفسر نہیں بن سکتا۔ اس کے لئے باقاعدہ علم یکھنا پڑے گا۔

خود اپنا گناہ ظاہر کرنے کی بھی اجازت نہیں

یہاں تک اس حدیث سے متعلق گفتگو ہوئی جس میں ایک مسلمان کو اس بات

کی ترغیب دی گئی کہ وہ دوسروں کی پرده پوشی کرے، اگر کسی کو گناہ کرتا دیکھتے تو اسے ظاہرنہ کرے۔ جس طرح دوسروں کو کسی کا گناہ ظاہر نہیں کرنا چاہئے، اسی طرح خود اس شخص کو بھی چاہئے کہ اپنے گناہ کا اظہار نہ کرے۔ شریعت میں اس کی بھی ممانعت آئی ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے:

﴿كُلْ أَمْتَى مَعَافِيًّا إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ﴾ (صحیح البخاری،

باب ستر المؤمن علی نفسه، رقم الحديث: ۵۷۲۱)

”میری امت کے سب لوگوں کے گناہوں کی معافی ہو سکتی ہے سوائے ان لوگوں کے جو حکم کھلا گناہ کرتے ہیں۔ (ان کی معافی نہیں)“

حکم کھلا گناہ کرنے والوں کے لئے معافی نہ ہونے کی وجہ

حکم کھلا گناہ کرنے والوں کی معافی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دو گناہ کر رہے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ دوسرا یہ کہ یہ جرم علی الاعلان کیا۔ جو ایک طرح کا ڈھنائی پن ہے اور اس بات کا اعلان ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا ڈھنیں ہے۔ ہم بے خوف ہیں۔ ہم جو چاہیں کریں، ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں (العیاذ باللہ) یہ جرم بہت سخت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے جرم پر نہ شرمندہ ہے اور نہ ہی وہ اسے برآ بھر رہا ہے۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں آ رہا ہے۔

گناہ تو سب سے ہوتے ہیں لیکن گناہ کے بعد تو بہ کر لینا اللہ تعالیٰ کو بڑا پسند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿كُلْ بَنِي آدَمْ خَطَّاءٌ وَ خَيْرُ الْخَطَّاءِ يَنِ التَّوَابُونَ﴾

(مستدرک علی الصحیحین، ۲۷۲/۳، رقم الحديث: ۷۶۱۷)

”تمام انسان خطا کار ہیں لیکن سب سے اچھے خطا کار وہ ہیں جو

سب سے زیادہ توبہ بھی کرتے رہتے ہیں۔“

اس لئے بندہ ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ جب بھی اس سے گناہ ہو جائے فوراً توبہ کر لے۔ لیکن جو بندہ اس گناہ کو علی الاعلان کرتا ہے، وہ اسے براہی نہیں سمجھتا تو وہ اس سے توبہ کہاں کرے گا؟ اس سے گناہ کی شدت میں کئی گناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی کہ اگر خدا خواستہ کسی آدمی سے گناہ ہو جائے تو وہ اسے چھپالے، کسی پر ظاہرنہ کرے۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا رہے کہ یا اللہ! اسے چھپا لجھے۔ مجھے ذلیل اور رسوانہ کیجئے۔

مجاہرہ یعنی کھلم کھلا گناہ کرنے کا ایک مطلب اسی حدیث کے اگلے حصے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا کہ:

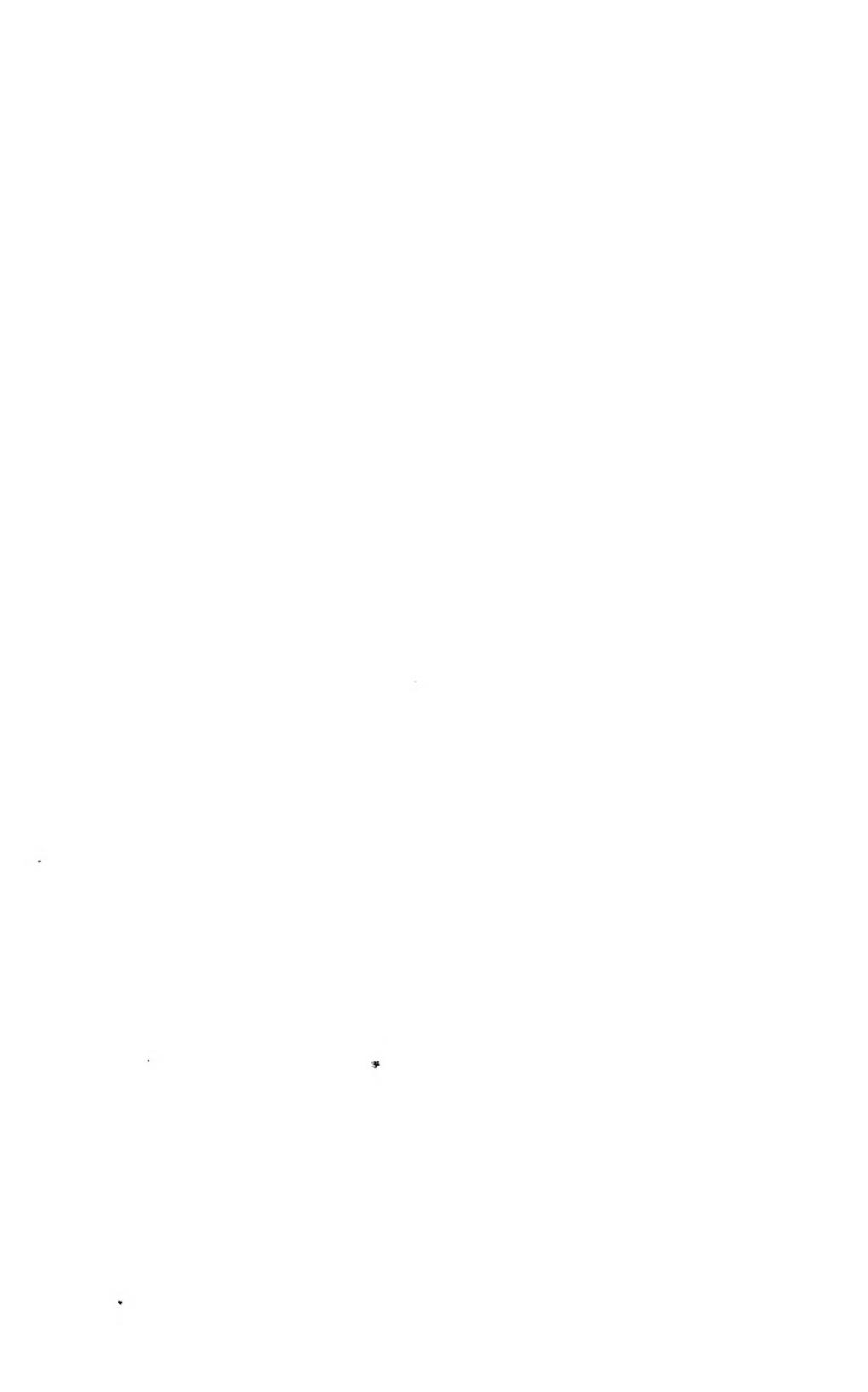
﴿وَإِنِّيْ أَمْجَاهِرُهُ أَنْ يَعْمَلَ الرَّجُلُ بِاللَّيلِ عَمَلًا ثُمَّ يُصْبِحَ وَقَدْ سْتَرَهُ اللَّهُ اللَّهُ عَلَيْهِ فَيَقُولُ: يَا فَلَانُ عَمِلْتَ الْبَارِحةَ كَذَا وَ كَذَا.﴾

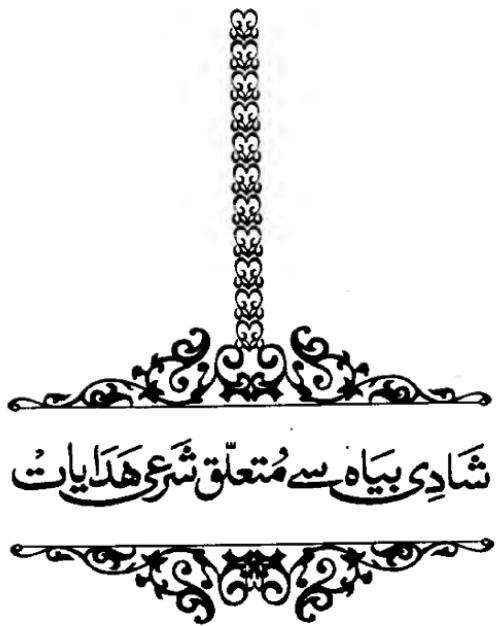
”علی الاعلان گناہ کرنے میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی شخص نے رات کو (چوری چھپے) کوئی گناہ کیا تھا (جس کی کسی کو خبر نہیں تھی) اللہ تعالیٰ نے اس کو چھپا رکھا تھا لیکن جب وہ صبح کرتا ہے تو اپنے کسی دوست سے کہتا ہے کہ آج رات میں نے فلاں گناہ کیا تھا۔“

عمل بھی مجاہرہ میں داخل ہے اور یہ بھی بہت بڑی جسارت اور بے شری کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس کے گناہ کو چھپا رکھا تھا لیکن اس نے خود ہی اپنے گناہ کو ظاہر کر دیا۔ گویا اس نے خود اپنی پرودہ دری کر دی۔ تو جس طرح دوسروں کے لئے اس کی پرودہ دری کرنا جائز نہیں خود اس کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ اپنے گناہوں کو دوسروں کے سامنے بیان کرتا پھرے۔

اللہ پناہ میں رکھے، آج ہمارے معاشرے میں یہ بات بھی داخل ہو چکی ہے کہ گناہ کرنے کے بعد خود ہی اس کا اظہار کرتے پھر تے ہیں اور اظہار کرتے وقت ان پر ندامت کا ذرہ برابر اثر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس عیب سے ہماری حفاظت فرمائے اور اپنے گناہوں پر پچے دل سے توبہ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

و آخر دعوانا أنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝





شادی بیاہ سے متعلق شرعی حدایات

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم
مقام: مکان جاوید موتی والا
موقع: تقریب متعلقہ شادی عزیزہ جاوید موتی والا
ترتیب و نویان: اعجاز احمد صداقی

﴿شادی بیاہ سے متعلق شرعی ہدایات﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد لله نحمدُه و نستعينُه، و نستغفِرُه و نومن به
و نتوکلُ عَلَيْهِ و نعوْذُ بِاللهِ مِن شرُورِ انفسنا و مِن
سيئاتِ أَعْمَالِنَا . مَن يَهْدِي اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَ مَن يَضْلِلُ
فَلَا هَادِي لَهُ وَ نَشَهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَ سَنَدَنَا وَ مَوْلَانَا
مُحَمَّداً عَبْدَهُ وَ رَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَ عَلَى آلِهِ
وَ صَحْبِهِ أَجْمَعِينَ وَ سَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا كَثِيرًا﴾

اَمَا بَعْدَ:

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

﴿بِإِيمَانِ النَّاسِ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّنْ نَفْسٍ
وَاحِدَةٍ وَ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا
وَ نِسَاءً طَوَّاتِقُوا اللَّهُ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَ الْأَرْحَامَ طَ

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا (السَّاء، آیت نمبر ۱)

مہینوں پہلے شادی کا بخار چڑھ جاتا ہے

بزرگان محترم، برادر ان عزیز، محترم خواتین، میری ماوں، بہنوں اور بیٹیوں! سب سے پہلے میں اس تقریب کو منعقد کرنے والے حضرات کو مبارکباد دیتا ہوں جنہوں نے ایک اچھا، مفید اور مبارک سلسلہ شروع کیا ہے۔

شادی کے سلسلے میں نکاح سے پہلے کئی دن سے اور نکاح کے کئی دن بعد تک طرح طرح کی تقریبات اور اجتماعات کرنے کا رواج ہمارے ہاں موجود ہے بلکہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے اور ان میں بے شمار باتیں ناجائز ہوتی ہیں۔ مثلاً فضول خرچی، دکھاو، بے کار کی رسیں، وقت اور پیسے کا ضیاع وغیرہ۔ اور واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی شادی ہوتی ہے تو مہینوں پہلے سے شادی کرنے والوں پر شادی کا بخار چڑھا ہوتا ہے۔

شاید دنیا کی اور کسی بھی قوم میں شادی کی اتنی رسیں نہیں ہوتیں جتنی ہندوؤں میں اور ہمارے ہاں ہوتی ہیں۔ ہمارے اندر یہ رسیں دراصل ہندوؤں سے ہی آئی ہیں۔ ہمارے جاوید صاحب نے یہ اچھا سلسلہ شروع کیا ہے کہ شادی کے کچھ روز پہلے یہ تقریب منعقد کی ہے۔ الحمد للہ، میں دیکھتا ہوں کہ میکن برادری اور گجراتی برادری میں یہ اچھا سلسلہ چل گیا ہے۔ اس کی حوصلہ افرائی ہونی چاہئے۔

نکاح کی تقریب و ععظ و نصیحت کا موقع نہیں

بعض لوگ شادی کے دن نکاح کی تقریب میں یہ چاہا کرتے ہیں کہ کوئی وعظ و تقریب ہو جائے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ وہ موقع وعظ و تقریب کا نہیں ہوتا۔ یہ تفتح اور ملاقاتوں کا ایک اجتماع ہوتا ہے۔ عورتیں، بچے بڑے اور جوان سب ایک دوسرے سے ملاقاتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ وہ آتے ہی خوشی منانے کے لئے ہیں۔ اس موقع پر اگر وعظ و تقریب کی جائے تو وہ کچھ بے موقع ہو جاتی ہے۔ اس کا خاص فائدہ بھی نہیں ہوتا اور

توجہ سے سنی بھی نہیں جاتی۔ یہ بہت اچھا سلسلہ ہے کہ زناح کی تقریب سے پہلے خاص اس مقصد کے لئے یہ اجتماع رکھا گیا ہے۔

میں رات کو ہونے والی شادی بیاہ کی تقریبات میں حتی الامکان نہیں جاتا لیکن اس اجتماع میں آنے کا تقاضا اس وجہ سے پیدا ہوا کہ یہ خواتین و حضرات کے لئے ایک اچھا موقع ہے کہ وہ دین کی باتیں سینیں اور ہم سنائیں۔

رسموں کی وجہ سے بیٹھی زحمت بن گئی

آج کل شادی بیاہ کی رسماں کی وجہ سے یہ معاملہ اتنا دشوار ہو گیا ہے کہ غریب اور کم مالی گنجائش رکھنے والے لوگوں کے لئے ان رسماں کو پورا کرنا بڑی مصیبت بن گیا ہے۔ میرے ایک رشتہ دار کا واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنی تین بیٹیوں کی شادی کی۔ تیسری بیٹی کی شادی کے بعد میری ان سے ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ ”میں تو ایک ہی دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ! کسی کو بیٹی نہ دینا“۔ غور کیجئے! بیٹی تو اللہ کی رحمت ہے لیکن ان رسماں کی وجہ سے آج وہ زحمت بن گئی۔

کوئی ایک رسم تھوڑی ہے۔ رسمیں ہی رسمیں ہیں جو منگنی کے وقت سے شروع ہوتی ہیں۔ منگنی ایک مستقل تقریب ہے جس میں خطیر قم خرچ ہوتی ہے۔ پھر اسی طرح ہر بعد میں آنے والے مرحلے میں کئی کئی طرح کی رسمیں ادا کی جاتی ہیں اور ان پر بھی ڈھیروں روپے خرچ ہوتے ہیں۔ اب بیچارے وہ لوگ جن کے پاس قارون کا خزانہ نہیں ہے کہ وہ اتنی رسماں کو نجاں میں اور فیضی جہیز دیں، ان کے لئے مسئلہ بن جاتا ہے۔ ایک بھائی نے بڑی دھوم دھام سے شادی کی اور دوسرے کے پاس اتنی وسعت نہیں تو وہ بیچارہ قرضہ لے گا یا کوئی اور ناجائز کام کرے گا۔ جھوٹی عزت برقرار رکھنے کے لئے پتہ نہیں کیا دھندے کرے گا۔ آج ہمارے معاشرے میں جو بڑے پیمانے پر کرپشن موجود ہے، اس کی ایک بڑی وجہ فضول خرچی ہے اور فضول خرچی کا ایک بہت بڑا باب ہماری یہ

شادیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان بیماریوں سے نجات عطا فرمائے۔

نکاح کے خطبے میں پڑھی جانے والی آیات

آپ سنتے ہوں گے کہ جب نکاح کا خطبہ پڑھا جاتا ہے تو اس میں تین آیات پڑھی جاتی ہیں۔

﴿۱. يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ

نَفْسٍ وَاحِدَةٍ الْخ﴾ (سورہ نساء کی پہلی آیت)

﴿۲. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا

تَمُوتُنَ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ (آل عمران، ۱۰۲)

﴿۳. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قُوْلًا

سَدِيدًا﴾

ترجمہ: ۱۔ ”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے ان کی بیوی کو پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا کیں اور تم اس خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کرتے ہو اور قربات سے بھی ڈرو۔ بالیغین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں۔“

۲۔ ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور بھر اسلام کے کسی حالت پر مت جان دینا۔“

۳۔ ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو۔“

ازدواجی تعلقات میں تقویٰ کی اہمیت

ان تینوں آیات میں توجہ طلب بات یہ ہے کہ ان کا پہلا جملہ ”تقویٰ“ کے حکم پر

مشتمل ہے۔ ان آیات کے پڑھنے کا معمول تاجدار کو نین صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک چلا آ رہا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان میں آیات کی کیا خصوصیات ہیں؟ تو جتنا آپ غور کریں گے یہی بات سمجھ میں آئے گی کہ اس نکاح کے وقٹے لے کر آخر دم تک میاں یہوی دونوں کو جس چیز کی عب سے زیادہ ضرورت ہے، وہ ”خدا کا خوف“ ہے۔ اگر اللہ سے ڈریں گے تو دونوں ایک دوسرے کے حقوق بھی ادا کریں گے اور ایک دوسرے کو خوش بھی رکھیں گے بلکہ ایک دوسرے کے خاندان کو ان سے ملنے جلنے والوں کو بھی خوش رکھیں گے۔ لیکن اگر اللہ کا خوف نہیں ہوگا تو پھر طاقت اور زور میں جس کا پلہ بھاری ہو جائیگا، وہ دوسرے کو دبا لے گا۔

یوں تو تقویٰ کی ضرورت زندگی کے ہر شعبہ میں ہے۔ تجارت میں بھی ہے اور سیاست میں بھی، حکومت میں بھی ہے اور عدالت میں بھی، صنعت میں بھی ہے اور زراعت میں بھی، لیکن ازدواجی تعلق میں تقویٰ کی سب سے زیادہ ضرورت اس وجہ سے ہے کہ میاں یہوی کے تعلقات کو قانون کے ذریعے سے درست نہیں کیا جاسکتا۔ صرف پولیس کے ڈر سے ان تعلقات کو نہیں بھایا جاسکتا، عدالتی فیصلوں کے ذریعے سے میاں یہوی ایک دوسرے سے اپنے اپنے حقوق نہیں لے سکتے۔

اس کی ایک ادنیٰ سی مثال سمجھیں۔ مثال کے طور پر ایک شوہر ہے وہ اپنی یہوی کے حقوق میں کوئی کوتا ہی نہیں کرتا لیکن مسکرا کر بات نہیں کرتا۔ جب بھی بات کرتا ہے اس کی تیوریوں پر بل ہوتے ہیں۔ کیا اس کو کسی عدالت میں آپ چیلنج کر سکتے ہیں؟ یا تھانے میں رپٹ لکھوا سکتے ہیں؟ یا فوج لا کر اسے زبردستی مجبور کر سکتے ہیں کہ تم اپنی یہوی سے خدھ پیشانی کے ساتھ بات کرو ہرگز نہیں لیکن اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اگر وہ مسکرا کر بات نہیں کرے گا تو تعلقات میں اتنی کشیدگی پیدا ہوگی کہ آپ اس کا تصور نہیں کر سکتے کیونکہ اس سے پہلے نفترت پیدا ہوگی۔ پھر جھگڑے اور ناچاقیاں شروع ہو جائیں گی اور نہ

جانے پھر کہاں سے کہاں تک معاملہ جا پہنچے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے گھر میں داخل ہوتے

تاجدار دو عالم سرور کو نین صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ گھر تشریف لاتے تو آپ کے چہرہ انور پر تبم ہوتا۔ ایک مرتبہ آپ سفر سے تشریف لائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جھرے میں داخل ہونے لگے تو آپ کا چہرہ انور ناگواری کے اثرات کی وجہ سے سرخ ہو گیا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کی تاب نہ لاسکیں فوراً عرض کیا کہ میں اللہ سے توبہ کرتی ہوں، آپ مجھے بتائیں کہ مجھ سے کیا غلطی ہوئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پردے پر تصویر گئی ہوئی ہے۔

چنانچہ پھر ان پردوں کو چھڑا گیا اور ان کو تکلیف میں اس طرح سے استعمال کیا گیا کہ تصویر ختم ہو گئی۔ (صحیح بخاری، باب التجارة فيما يكره لبسه، للرجال والنساء،

رقم الحديث: ۱۹۹۹، مسلم، باب تحریم صورة حیوان الخ (رقم الحديث:

(۲۱۰۷)

اب دیکھئے! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کی عادت نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائیں تو آپ کے چہرے پر تیوریاں پڑی ہوئی ہوں۔
چنانچہ اس کو برداشت نہیں کر سکیں۔ فوراً معافی مانگی اور وجہ دریافت کی۔

ان چیزوں کا اہتمام ”تقویٰ“ کے بغیر نہیں ہو سکتا

ایک رات کا واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے جھرے میں سور ہے تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب رات کا کچھ حصہ گزراتو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھا کہ میں سوچکی ہوں۔ آپ بہت آہستہ سے اٹھے، پانکتی کی طرف سے آہستہ آہستہ چل کر جھرے کے دروازے تک پہنچے۔ آہستہ سے دروازہ کھولا اور پھر آہستہ دروازہ بند کیا۔ (صحیح مسلم، باب ما یقال عند دخول القبور والدعاء لأهلهما، رقم

الحادیث: ۹۷۸) اس کے بعد طویل قصہ ہے۔ یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر احتیاط سے اٹھے کہ پاؤں کی چاپ نہ سنائی دے، دروازے کھولنے اور بند کرنے کی آواز پیدا نہ ہوتا کہ عائشہ صدیقہؓ کی نیند خراب نہ ہو جائے۔ ان چیزوں کا اہتمام اللہ کے ذر اور آخرت کے حساب کے خوف کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ عورت غلطی طور پر کمزور پیدا ہوئی ہے۔ اگر خدا کا خوف نہیں ہو گا تو اسے مرد بدلے گا۔ اور یہ آج کل ہو رہا ہے۔ آج کل بکثرت یہ حال نظر آتا ہے کہ عورتوں کو میراث نہیں ملتی۔ باپ کا انتقال ہوتا ہے۔ ساری میراث بھائی بانٹ کھاتے ہیں۔ عورتیں منہ دیکھتی رہ جاتی ہیں۔

بیوی باندی بن کر نہیں آتی

بہت سے گھروں میں یہ عادت ہے کہ شادی اس لئے کرتے ہیں کہ گھروں میں ایک کام کرنے والی باندی آجائے گی۔ اس پر ساس بھی حکومت چلائے گی اور سر بھی، دیور بھی حکومت کریں گے اور نندیں بھی۔ گویا سارے خاندان کی خدمت کرنا اس کا فرض منصی ہو گا۔ حالانکہ شریعت نے اسے کسی کی باندی نہیں بتایا بلکہ وہ شوہر کی زندگی کی ساتھی ہے۔ شریعت نے کسی کو یہ حق نہیں دیا کہ اس پر اس طرح حکومت چلائی جائے جس طرح ہمارے معاشرے میں چلائی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ خدا کا خوف نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

حضرت عارفؒ کا عجیب معمول

میرے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالمحیی عارفؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اتنے سال میری شادی کو ہو گئے (غالباً ۲۰ سال تلاۓ) اس عرصے میں میں نے کبھی اپنی بیوی سے لہجہ بدل کر بات نہیں کی اور کبھی میں نے اپنے کسی کام کے لئے نہیں کہا۔ بکثرت ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بیٹھی ہیں اور گلاں ان کے قریب رکھا ہے۔ اگر میں گاں اٹھانا چاہوں تو مجھے اٹھنا پڑیگا اور اگر ان سے مانگوں گا تو اٹھانا نہیں پڑے گا، وہ ملکہ

سے اٹھا دے گی لیکن میں کبھی ان سے یہ نہیں کہتا کہ گلاں اٹھا کر دو۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے شوق سے خود میری خدمت کرتی ہے اور میری راحت رسانی کی فکر کرتی ہے۔

ظاہر ہے کہ جب شوہر ایسا پا کباہ ہوگا، ایسی رعایت کرنے والا ہوگا، ایسی محبت کرنے والا ہوگا تو یہوی بھی اس پر اپنی جان قربان کرے گی۔ ویسے بھی ہمارے ہندو پاک کی عورتیں اپنے شوہروں پر سب کچھ قربان کر دیتی ہیں۔ اپنا گھرانہ، اپنا خاندان اور والدین کی آغوش چھوڑ کر دوسرا گھر کو اپنا گھر بنانی تھی ہیں۔ اگر شہزادہ سرال سے ان کو محبت ملے تو اپنا پچھلا گھر بھلا دیتی ہیں لیکن یہ باتیں خدا کے نے سے ہی آتی ہیں۔

اور جہاں خدا کا خوف نہیں ہوتا وہاں عورت باندی بن کر رہتی ہے۔ اس کی پٹائی تک کی جاتی ہے حتیٰ کہ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ دیور نے بھاونج کی پٹائی کر دی۔ یہ کس قدر افسوناک بات ہے۔

تقریب شادی کے منکرات کے اثرات

آج کل ہمارے ہاں شادی کے اجتماعات میں طرح طرح کے منکرات ہوتے ہیں۔ فائرنگ بھی ہوتی ہے۔ مخلوط اجتماعات بھی ہوتے ہیں، میوزک بھی ہوتا ہے، اور دکھاو اور فضول خرچی وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ ”بے برکتی“ ہے۔ اس ”بے برکتی“ کا اثر یہ ہے کہ آج گھر گھر میں ناچاقیاں ہیں۔ تعلقات میں خرابیاں ہیں۔ کہیں میاں یہوی کے جھگڑے ہیں، کہیں ساس بھوکے جھگڑے ہیں اور کہیں نند اور بھا بھی کے جھگڑے ہیں۔ اور ان جھگڑوں کے نتیجے میں سارے گھر کے لوگوں کی زندگی اجیرن ہو چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ کو ناراض کرنے والے اعمال کئے جائیں گے، سنتوں کو پامال کیا جائیگا تو ان شادیوں سے خوشیاں نہیں ملیں گی، گھروں میں راحت اور سکون نہیں ملے گا۔

بعض خواتین کے اندر بری عادتیں ہوتی ہیں مثلاً بدز بانی، بے کار کے خرے اور بے ڈھنگا پن۔ یہ بھی شریعت کے خلاف باتیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو

یہ تھا کہ اگر میں کسی کو اللہ کے علاوہ کسی کا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو یوں کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے۔ تو اللہ تعالیٰ نے شوہر کو اتنا اوپر مقام دیا ہے۔ چنانچہ اگر بے کار کے خرے اور بذریعاتی کرے گی تو وہ گناہ کی مرتبہ ہو گی۔ لہذا عورتوں کو حتی الامکان ان بری عادات سے پر ہیز کرنا چاہئے تاکہ ان کی وجہ سے باہمی تعلقات ناخوشگوار نہ ہوں۔

اہتہا پسندی کیا ہے؟

اسلامی شریعت کے اندر اعلیٰ درجے کا اعتدال اور توازن ہے اور اس میں ہر چیز کی کچھ حدود متعین کی گئی ہیں۔ محبت کی بھی حدود مقرر کی ہیں اور نفرت اور غصے کی بھی۔ اسی طرح کھانے، پینے، بولنے، سونے حتیٰ کہ عبادت کی بھی کچھ حدود مقرر کی ہیں۔ جوان حدود کی رعایت رکھے گا وہ معتدل ہے اور جوان حدود کو پھلانگ جائے گا، وہ اہتہا پسند ہے، آج کل ان حدود کا عام طور پر لحاظ نہیں کیا جاتا۔ آج ہی ایک صاحب مجھے اپنے بیٹے کی المناک دستان سنارہ تھے۔ ان کا بینا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور امریکہ میں مقیم ہے۔ لیکن کسی نقی پیر صاحب کے ہتھے چڑھ گیا۔ جس کے نتیجہ میں اس نے اپنے ماں باپ سے تقریباً قطع تعلق کر لیا اور پیر صاحب کا ہو کر رہ گیا۔ برسوں کے بعد امریکہ سے یہاں کراچی آیا، ماں باپ سے ملے بغیر پیر صاحب سے ملنے چلا گیا۔ ماں باپ کو بتائے بغیر پیر صاحب کے کہنے پر شادی کر لی۔ ظاہراً ادازہ بھی، عمامہ بھی اور نماز کی پابندی بھی لیکن یہ سب حرکتیں شریعت کے خلاف بھی کر رہے ہیں۔ دیکھنے میں تو وہ بہت نیک کام کر رہے ہیں لیکن چونکہ یہ سب کچھ شریعت کی حدود کے مطابق نہیں ہو رہا ہے۔ اس لئے یہ اہتہا پسندی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر و بن العاص کا واقعہ

حضرت عبد اللہ بن عمر و بن العاص ایک جملی القدر صحابی ہیں۔ ان کی خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ حدیثیں لکھی ہیں۔ ان کے اندر حبادت کا بڑا ذوق تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے طور پر یہ طے کر لیا کہ رات کو

عبادت کیا کریں گے اور دن کو رکھا کریں گے۔ آپ اندازہ کریں کہ جو شخص دن بھر روزہ رکھے اور رات بھر عبادت کرے، اس کی بیوی پر کیا بیتے گی؟ چنانچہ کچھ عرصہ بعد بیوی نے دبے الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت کے بارے میں بتالایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کفر فرمایا کہ دیکھو ”تمہارے اوپر تمہاری جان کا بھی حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی ہے۔“ مطلب یہ کہ اگر تم اس طرح عبادت کرو گے تو بیوی کے حقوق کیسے ادا کرو گے اور اس سے تمہاری صحت بھی خراب ہو جائیگی۔ اس لئے یہ طریقہ ترک کر دو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر روزے رکھنا چاہتے ہو تو مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے اور اجازت دیجئے۔ فرمایا کہ اچھا، دس روزے رکھ لیا کرو۔ یہ مزید کی درخواست کرتے رہے تو آپ نے فرمایا کہ اچھا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن نہ رکھو۔

(صحیح البخاری، باب حق العصمت فی الصوم، رقم الحدیث: ۱۸۷۳، و باب لزوجک علیک حق، الحدیث: ۳۹۰۳، باب حق الضیف، الحدیث: ۵۷۸۳)

دیکھئے! روزہ کتنی بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ احادیث کے اندر اس کے اس قدر فضائل آئے ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ آدمی خوب روزے رکھے لیکن جب عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے بہت زیادہ روزے رکھنا شروع کئے تو آپ نے اس کی ایک حد مقرر کر دی کہ اس سے زیادہ مت رکھو۔

ماں باپ کی خدمت کیلئے بیوی کو حکم نہ دو

آج کل حقوق کی ادائیگی میں ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگ ماں باپ کے حقوق میں لگے تو بیوی بچوں کے حقوق بھول گئے اور بعض لوگ بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی میں لگے تو ماں باپ کے حقوق بھول گئے۔ یہ غلط روایہ ہے۔ بلاشبہ ماں باپ کے حقوق بہت زیادہ ہیں حتیٰ کہ انسانوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

سب سے زیادہ حقوق مال باپ کے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بیوی اور بچوں کے حقوق بھی انہی کو دے دو۔ بعض لوگ اپنے مال باپ کی خدمت اپنی بیوی سے کرتے ہیں۔ خود تو کام پر چلے گئے اور بیوی کو خدمت پر لگا دیا۔ یہ کوئی ثواب اور عبادت کی بات نہیں۔ مال باپ کی خدمت خود کرو، بیوی کو اس کا حکم نہ دو۔ ہاں بیوی اگر اپنی خوشی اور شوق سے کرے تو اس کے لئے بڑی سعادت مندی کی بات ہے کہ شوہر کے مال باپ بھی اس کے مال باپ کی طرح ہیں۔ اگر وہ خوشدنی سے ان کی خدمت کرے گی تو اس سے خوشنگوار تعلقات پیدا ہوں گے۔

تبليغ میں ضرور جاؤ لیکن.....

میں صاف کہتا ہوں کہ میں تبلیغی جماعت کے کام کو بہت اچھا سمجھتا ہوں اور ہر جگہ کہتا ہوں کہ تبلیغ میں خوب وقت دینا چاہئے۔ لیکن بعض باتیں (ان سب میں نہیں بلکہ بعض میں) ایسی باتیں آگئی ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں مثلاً یہ کہ بیوی کے پاس کھانے پینے کا سامان ہو یا نہ ہو، بچوں کو دیکھنے والا کوئی ہو یا نہ ہو، صاحب چلے پر جا رہے ہیں۔ چلے سے خط آتا ہے کہ چار مہینے بعد آؤں گا اور پھر خط آتا ہے کہ ایک سال بعد آؤں گا۔ یہ کہاں کی شریعت ہے کہ بیوی بچوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر نکل گئے کہ اللہ کے راستے میں جا رہا ہوں۔ بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنا بھی تو اللہ کا راستہ ہے۔ شریعت کے مطابق زندگی گزارو۔ بیوی بچوں کے حقوق ادا کرو، تبلیغ میں ضرور وقت لگاؤ لیکن اس طریقے سے لگاؤ کہ بیوی بچوں کے حقوق پامال نہ ہوں۔

ایک صاحب تبلیغ میں چلے گئے۔ ان کی بیوی سید زادی شریف خاندان کی لڑکی تھی، ہمیں اطلاع ملی اس کوئی وقت کا فاقہ ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلے بھی فاقہ پر فاقہ ہوتے رہتے ہیں اور یہ صاحب چلے پر جاتے رہتے ہیں۔ ہم نے اس صاحب کو بہت سمجھایا اور بہت ڈانٹا تو کچھ ان کی روشنیں میں تبدیلی آئی۔

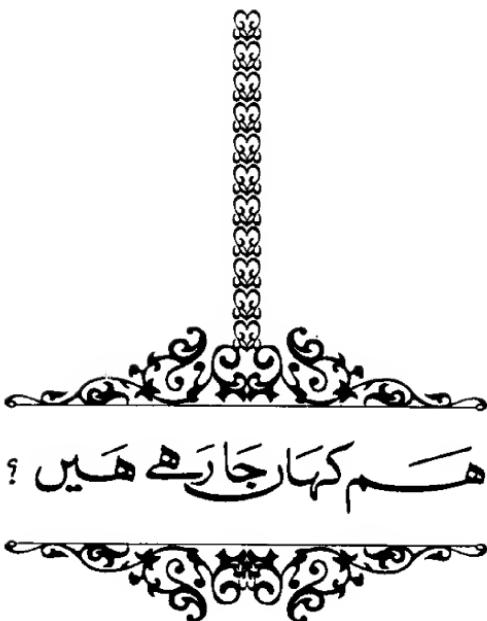
خواتین بھی مردوں کے ساتھ تعاون کریں

آخر میں میری خواتین سے یہ درخواست ہے کہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ اگر مرد ارادہ بھی کرتے ہیں کہ شادی بیاہ کے اندر بری رسموں سے بچیں تو عورتیں عام طور پر مردوں کو اس میں کامیاب نہیں ہونے دیتیں۔ اگر خواتین اس معاملے میں تعاون کریں گی تو ان غلط رسموں سے ہم اپنے آپ کو آسانی سے بچا سکیں گے۔ الحمد للہ، میں نیز براوری کے اندر میں دیکھ رہا ہوں کہ خواتین مردوں کے ساتھ اس معاملے میں تعاون کر رہی ہیں۔ اللہ کرے کہ ہماری براوریوں کے اندر یہ صورت پیدا ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اگر کسی کو پیسہ دیا ہے تو یہ کیا ضروری ہے کہ شادی کے اندر اسے بر باد کیا جائے نیک کاموں میں خرچ کرے تاکہ خود بھی رسموں کے گناہوں سے بچے اور خاندان کے غریب لوگوں کی پریشانی کا باعث بھی نہ بنے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شادی سے متعلق قرآنی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

و آخر دعوانا أنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝



ہم کہاں جائے ہیں؟

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد فیض عثمانی صاحب مذہب
مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ: ۱۴ مئی ۲۰۰۷ء
ترتیب و عنوانات: ایجاز احمد صہدائی

﴿ہم کہاں جا رہے ہیں؟﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد لله نحمدُه و نستعينُه، و نستغفِرُه و نومن بِهِ
و نتوَّكِلُ عَلَيْهِ و نعوذُ بِاللهِ مِن شرورِ انفُسنا و مِن
سَيِّئاتِ اعْمَالِنَا . مِن يَهْدِي اللَّهُ فَلَا مُضَلٌّ لَهُ و مِن يَضْلِلُ
فَلَا هَادِي لَهُ و نَشَهَدُ أَن لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ
لَهُ وَنَشَهَدُ أَن سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدَهُ وَ
رَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آتِيهِ وَصَحْبِهِ
أَجْمَعِينَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا كَثِيرًا﴾

اما بعد :

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :
 ﴿لَا تَدْخَلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى
تَحَابُّوا أَوْ لَا أَذْلُكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ
تَحَابِّتُم﴾ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان آته)

لایدخل الجنة إلا المؤمنون ، الخ رقم الحديث: (۵۳)

حدیث کا مفہوم

بزرگانِ محترم اور برادر ان عزیز! پچھلے کئی جمیع سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے متعلق بیان چل رہا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

”تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک مؤمن نہ ہو جاؤ اور تم مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک تم آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں کہ اگر وہ کرنے لگو تو تمہارے درمیان محبت قائم ہو جائے؟ وہ چیز یہ ہے کہ آپس میں سلام کرنے کو روایج دو۔“ آج میں اس حدیث سے متعلق ایک اہم بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اسلامی برادری کی جان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ”تم جنت میں نہیں جا سکتے، جب تک مؤمن نہ ہو اور ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرو“ یہ ایک بنیادی چیز ہے اور اسلامی برادری کی جان ہے۔ اسلام میں برادری کی بنیاد ایمان ہے۔ سورۃ الحجرات میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (الحجرات، آیت نمبر ۱۰)

” بلاشبہ تمام مؤمنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔“

ایمان والے خواہ کوئی بھی زبان بولنے والے ہوں، کسی بھی علاقے کے رہنے والے ہوں، کسی بھی نسل سے ان کا تعلق ہو، کسی بھی تنظیم کے رکن ہوں، وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کلمہ طیبہ دنیا کے تمام مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرورئے ہوئے ہے۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ:

”تمام مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں، اگر سر میں درد ہوتا ہے تو پورا

جسم بے چین ہو جاتا ہے، آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم بے چین ہو جاتا ہے، ہاتھ میں تکلیف ہوتی ہے، تو پورا جسم تکلیف میں بنتلا ہو جاتا ہے، (صحیح مسلم، باب تراحم المؤمنین و تعاطفہم و تعاضدهم، رقم العدیت: ۲۵۸۲)

گویا دنیا کے کسی بھی کونے میں مسلمان کو تکلیف پہنچ، وہ مسلمان خواہ افریقہ کا رہنے والا ہو یا ایشیا کا، یورپ کا باشندہ ہو یا امریکہ کا، ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ سارے مسلمان بے چین ہو جائیں۔

عالم کفر مسلمانوں کی مظلومیت پر پریشان نہیں ہے

اس وقت ہم اس بات کا رونا رور ہے ہیں کہ دنیا کے مختلف کنوں میں دشمنان اسلام ہمارے بھائیوں کو قتل کر رہے ہیں، عراق میں کیسے کیسے مظالم توڑے جا رہے ہیں، افغانستان پر کیسے مظالم ڈھائے گئے، کشمیر اور فلسطین میں برسوں سے جو کچھ ہو رہا ہے اس کے سامنے چنگیزیت بھی شرما جائے۔ پوری دنیا ان مظالم کو دیکھ رہی ہے اور عالم کفر اس پر ناراض نہیں ہے، وہ بیان دے دیتے ہیں، قرارداد پاس کر دیتے ہیں لیکن واقعی یہ ہے کہ ان مظالم کی وجہ سے ان کے کانوں پر جوں تک بھی نہیں ریختی کیونکہ وہ مطمئن ہیں کہ ہم نہیں مر رہے بلکہ مسلمان مر رہے ہیں۔

اس کی شکایت کس کے پاس لے کر جائیں؟!

دکھ ہوتا ہے تو اہل ایمان کو ہوتا ہے اور ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم کو اپنے ان مسلمانوں کی تکلیف اور مظالم کی چکی میں پسے پر دکھ ہو۔ جو حدیث میں نے خطبہ میں پڑھی ہے، اس کا ایک سبق بھی یہی ہے لیکن افسوس صد افسوس اس بات پر کہ ہم خود آپس کے میں جوں میں اس سبق کو یکسر بھول چکے ہیں، کراچی میں ایکشن کے دنوں میں جو کچھ ہوا اور پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے، یہ ہم سب کے سامنے ہے۔ ایک بھائی دوسرے

بھائی کا گلہ کاٹ رہا ہے۔ یہ کس کھاتے میں جائے گا؟ ان پر کون روئے گا؟ اس میں ہم اسلام کس پر نظر رکھیں گے۔ اور یہ بھائی اور ہر بھائی۔ ایک مسلمان خواہ کسی بھی پارٹی کا ہو، خواہ اس کی پارٹی سے ہمارا اتفاق ہو یا اختلاف، لیکن وہ ہے تو ہمارا بھائی۔ وہ اسلامی برادری کا حصہ تو ہے۔ لیکن دکھ یہ ہے کہ یہی اسلامی برادری ایک دوسرے کا گلہ کاٹ رہی ہے۔ اس کی شکایت کس کے پاس لے کر جائیں؟!

کفار کے بارے میں تو ہم زور شور سے کہتے ہیں اور کہنا بھی چاہئے کہ غیر مسلموں نے مسلمانوں پر مظالم ڈھادیے، غیر مسلموں نے مسلمانوں کا قتل عام کر دیا لیکن یہ مقدمہ کوئی عدالت میں لے جائیں کہ ایک بھائی نے دوسرے بھائی کا گلہ کاٹ دیا؟

مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کا نقصان زیادہ ہوتا ہے

ہمارے ایمان نے تو ہمیں اس کی قطعاً اجازت نہیں دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تجیس ۲۳ سالہ محنت کے نتیجے میں اسلام کی تعلیمات پھیلا چکے، اسلام کو پورے جزیرہ نماۓ عرب میں حکمران بنایا چکے، امن و امان اور عدل و انصاف پورے جزیرہ نماۓ عرب میں قائم ہو چکا تھا، اور اب اس دنیا سے رخصت ہونے والے تھے، وصال سے تقریباً تین ماہ قبل آپ نے حج فرمایا، جسے ”حجۃ الوداع“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اس خطبے میں ایسی باتیں ارشاد فرمائی تھیں جیسے کوئی باپ رخصت ہوتے وقت اہم باتوں کی وصیت اپنی اولاد کو کرتا ہے۔

اس موقع پر آپ نے ایک نصیحت یہ فرمائی:

﴿لَا تَرْجِعُوا بَعْدِيٍّ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ

بعض﴾ (مسلم، کتاب الإيمان)

”تم میرے بعد لوٹ کر کافرنہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گرد نہیں

مارنے لگو۔“

آپ نے مسلمانوں کے آپس میں دست و گریبان ہونے سے اس لئے بھی منع فرمایا تھا کہ جب مسلمان آپس میں جنگ و جدال اور لڑائی شروع کر دیتے ہیں تو اس کا نقصان اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

مسلمان کو قتل کرنا کسی مسلمان کا کام نہیں

اور آپ نے اس سے منع کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ ”لاترجعوا بعدی کفّاراً (میرے بعد لوٹ کر کافرنہ ہو جانا) اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی مسلمان کو قتل کرنا ایک مسلمان کا کام نہیں بلکہ یہ کام کافروں کا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا ایمان کبھی بھی اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ کسی مسلمان کی گردن مارے۔ ایک مسلمان دوسرے کے ساتھ کتنا ہی شدید اختلاف رکھتا ہو، سیاسی اختلاف ہو یا تنظیمی اختلاف ہو، رائے کا اختلاف ہو یا کسی شرعی مسئلے میں اختلاف ہو، لیکن جب ادھر بھی مسلمان ہو اور ادھر بھی مسلمان ہو تو شریعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے مال، جان یا آبرو کو نقصان پہنچائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جھتے الوداع کے موقع پر فرمایا:

﴿إِذْ دَمَاءَ كُمْ وَ امْوَالَكُمْ وَ اعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ﴾

عليکم كحرمة يومكم هذا في بلدكم هذا في

﴿شَهْرُكُمْ هَذَا﴾

کہاں پناہ ملے گی؟

اسلام نے تو ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دی تھی کہ ہم کسی دوسرے کے مال، عزت اور جان سے کھلیس لیکن افسوس کہ ہمارا شہر کراچی برسوں سے خون میں نہارہا ہے۔ گن پوانسٹ پر کاریں چھٹی ہیں، گرفتار ہیں، مال بھی لٹ رہے ہیں، عزتیں بھی

لٹ رہی ہیں، جانیں بھی جارہی ہیں۔

یوں تو یہ کھیل عرصے سے کھیلا جا رہا ہے، لیکن ایکشن کے موقع پر اس میں اور شدت آجائی ہے۔ ایکشن کا کام اصل میں تو پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگوں کا کام ہوتا ہے۔ قیادت کے چناؤ کے لئے ہوتا ہے۔ ایکشن لڑنے والے اس بات کے دعویدار ہوتے ہیں کہ ہم قوم اور ملت کی رہنمائی کریں گے، ان کی جان و مال کی حفاظت کریں گے اور ان کے مسائل حل کریں گے۔ اگر اس ایکشن کے اندر بھی ایک دوسرے کی گرد نیں ماری جائیں اور جان و مال کو نقصان پہنچایا جائے تو بتلائیے کہاں پناہ ملے گی؟

کلمہ پڑھنے والا خواہ کسی تنظیم کا ہو، ہمارا بھائی ہے

کلمہ پڑھنے والا ہمارا بھائی ہے، خواہ کسی بھی تنظیم کا ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اچھا بھائی نہیں۔ لیکن برے بھائی کو بھی گھر سے نکالتے تو نہیں، اس سے بھی تو قطع تعلق کرنے کی اجازت نہیں، اسے بھی تو قتل نہیں کیا جاسکتا۔ تو جس طرح خونی رشتہ والے بھائی کے ساتھ یہ سلوک روا رکھنا جائز نہیں، اسی طرح اسلامی بھائی پر بھی اس طرح کے مظالم ڈھانا جائز نہیں۔

اسلام کے خلاف عالم کفر کا اتحاد

افوس صد افسوس یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے شہر میں ہو رہا ہے، کسی گاؤں، گوٹھ میں نہیں ہو رہا، ان پڑھ اور جاہل لوگوں کی بستیوں میں نہیں ہو رہا، پڑھ لکھ لوگوں کے علاقوں میں ہو رہا ہے۔ سارا عالم کفر تمہارے مٹانے پر تلا ہوا ہے۔ روس اور امریکہ جن کی کتنے سالوں سے پرانی دشمنی چل رہی تھی، وہ بھی متفق ہو گئے روس والے امریکہ سے کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے کہ اگر تم مسلمانوں کو مٹا تو ہمیں تم پر کوئی اعتراض نہیں۔ امریکہ والے ان سے کہتے ہیں کہ تم جیچنیا اور بوسنیا پر ظلم ڈھاتے رہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اس طرح ہندو ہوں یا یہودی، عیسائی ہوں یا کوئی دوسری غیر مسلم اقوام، یہ

سب اس بات پر متفق ہو چکے ہیں کہ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی ابھرنے والی طاقت "اسلام" ہے۔ جس طرح ممکن ہواں کاراستہ روکو۔

یہ عہدے یہیں رہ جائیں گے

تو عالم کفر تو تمہیں مٹانے پر تلا ہوا ہے اور تم آپس میں ایک دوسرے سے لڑ کر اپنے آپ کو مٹانے پر تلے ہوئے ہو۔ بتاؤ پھر امان کہاں ملے گی؟ اور ایسی قوم کہاں رہے گی جس کے دوسرے بھی دشمن اور اپنے بھی دشمن، دوسرے بھی اس کو ماریں اور خود بھی ایک دوسرے کی گرد نیں اڑائیں۔

یہ سیٹیں یہیں دھری رہ جائیں گی، یہ عہدے اور کنیتیں یہیں رہ جائیں گی۔ جب یہ ظاہری آنکھ بند ہوگی اور دوسرا عالم سامنے آئے گا تو وہاں نہ یہ سیٹیں ہوں گی اور نہ عہدے ورکنیتیں، وہاں ذرے ذرے کا حساب دینا پڑے گا، وہاں یہ پوچھا جائے گا کہ تمہیں کس کام کیلئے دنیا میں بھیجا تھا اور تم نے وہاں کیا کام کیا؟ وہاں تو ایک ایک لمحے کا، ایک ایک چیز کا، ایک ایک حرکت اور ایک ایک سکون کا حساب ہو گا۔

ان جرائم کا بنیادی سبب

آدمی یہ سارے دھنڈے اس وقت کرتا ہے جب وہ قبر کو بھول جاتا ہے۔ جب آخرت اس کی نگاہوں سے اوچھل ہو جاتی ہے تو وہ قتل و غارت بھی کرتا ہے، لڑائیاں بھی کرتا ہے، گالیاں بھی دیتا ہے اور دشمنیاں بھی کرتا ہے۔ لیکن وہ شخص جسے اپنی قبریاں دھو، وہ ان دھنڈوں میں لگنے کے بجائے اپنی آخرت بنانے کی تیاری میں لگا رہتا ہے۔ وہ اس فکر میں رہتا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے، جس سے میری قبر بر باد ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

﴿حَبَّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيبَةٍ﴾ (کشف الخفاء، ج ۱ ص

”دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے۔“

جب آدمی کے دل میں دنیا کی محبت سما جائے۔ مال و دولت، عہدہ اور شہرت مطیع نظر بن جائے تو پھر وہ ہر قسم کے گناہ کرتا ہے۔ قتل و غارت گری بھی کرتا ہے۔ اس کا مطلب بھی ڈھاتا ہے۔ چوری اور ڈیکٹی بھی کرتا ہے غرضیکہ سب کچھ کرتا ہے۔ انہیاء کرام یہی بتلانے کے لئے آتے تھے کہ اگر تم نے اپنی قبر کو بھلا دیا اور موت سے غافل ہو گئے تو تمہاری یہ زندگی بھی جہنم بن جائے گی۔ اگر تم اس زندگی کو پر امن رکھنا چاہتے ہو اور اسے خوشیوں کا گھوارہ بنانا چاہتے ہو تو اپنی قبر کو یاد رکھو، ورنہ ایک دوسرے کی گرد نیں مارو گے، بھیزیے اور درندے بن کر جگل کا قانون رانج کرو گے۔ جس کی لاثی اس کی بھینس،“ کا قانون رانج ہو گا۔

آج پورا شہر سوگوار ہے، سارے کام معطل پڑے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ صرف ایک مسلمان کے قتل سے اگر اتنی سوگواری بلکہ اس سے بھی زیادہ سوگواری ہو تو بھی بجا ہے، اس لئے کہ مسلمان کے خون کی عظمت، ایسی ہے جیسے بیت اللہ کی۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مَّتَعْمِدًا فِيْ جَزِيْءٍ جَهَنَّمْ خَلَدًا فِيْهَا﴾

و غضب اللہ علیہ ولعنة و اعدالہ عذاباً عظیماً

”اور جس شخص نے کسی موسمن کو جان بوجھ کر قتل کیا، اس کا بدلہ جہنم

ہے وہ ہمیشہ اس میں رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہیں اور

اس پر اللہ نے لعنت کی اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

یہ قرآن کا فرمان ہے، کوئی مولوی اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا، یہ کسی خطرناک

وعید ہے۔

جتنے بھی مسلمان مارے گئے، وہ ہمارا ہی نقصان ہے۔ کسی یہودی، ہندو یا

عیسائی کا نہیں ہوا۔ ہماری پونچی لٹی ہے۔ ایک ایک مسلمان ہماری طاقت ہے، اس واقعے سے ہماری ہی طاقت کمزور ہوئی ہے۔ اس پر ہم جتنا بھی غم کریں، بجا ہے۔ اور یہ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم آئندہ کے لئے اس بارے میں کوئی لا جھ عمل تیار کریں۔

اس قوم کو آزاد اور ہنے کا حق باقی نہیں رہتا

ہماری دشمن قومیں جو ہم پر یلغار کر رہی ہیں، وہ بھی آپس میں اس طرح نہیں لڑتیں۔ وہ دوسروں کو مارنے میں تو چنگیز خان اور ہلاکو خان سے بھی آگے ہیں، لیکن آپس میں متحد ہیں۔ امریکہ اور کینیڈا کی سرحد تقریباً پانچ ہزار میل تک ملی ہوئی ہے۔ اس پوری سرحد پر دونوں ملکوں کا کوئی ایک فوجی بھی نہیں ہے۔ انہوں نے آپس میں معاهدہ کر رکھا ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچائیں گے، آپس میں لڑیں گے نہیں، نتیجہ یہ کیونکہ ہمیں لڑنا تو دوسروں سے ہے۔ آپس میں لڑ کر ہمیں اپنی طاقت ختم نہیں کرنی، نتیجہ یہ ہے کہ وہاں سات سو سو دوسرے پار بیٹھ کر پوری دنیا پر حکومت کر رہے ہیں اور ہم، ہمارے پاس مادی اسباب ان سے زیادہ ہیں، قدرتی وسائل اتنے ہیں کہ کسی اور قوم کے پاس نہیں لیکن اس سب کے باوجود ان کے محکوم ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کی گردی میں مارنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ کسی بھی قسم کا لالجھ سامنے ہو، دوسرے کی گردن مارنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ پیسے کا لالجھ ہو یا عہدے کا ہمیں مسلمان کی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ جس قوم کی خود غرضی اس حد تک پہنچ جائے، اس قوم کو آزاد اور ہنے کا حق باقی نہیں رہتا۔ تاریخ کا بے رحم ہاتھ ایسی قوموں سے اقتدار چھین لیا کرتا ہے۔

مسلمانوں کو حکومت کب ملے گی؟

دنیا دارالاسباب ہے، دارالجواب نہیں۔ حکمرانوں والی صفات پیدا کرو گے تو حکمرانی ملے گی، غلاموں کی صفات اپناو گے تو غلامی ملے گی۔ صرف ایمان لانے اور نماز پڑھنے سے غلامی نہیں جائے گی۔ اس کے لئے وہ ایصال کرنے پڑیں گے جو نہایتی کو

مٹانے والے ہیں۔ قرآن مجید نے کہیں بھی مطلق یہ وعدہ نہیں کیا کہ صرف ایمان لانے پر حکمرانی ملے گی۔ کسی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وعدہ نہیں فرمایا کہ اگر مسلمان ایمان پر قائم رہے اور نماز روزہ کی پابندی کرتے رہے تو انہیں حکمرانی مل جائے گی۔ بلکہ قرآن مجید میں یہ فرمایا گیا کہ:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
لَيُسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ
قَبْلِهِمْ﴾

”اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک اعمال کیے ضرور بضرور ان کو خلیفہ بنائے گا زمین میں جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔“

”عملوا الصالحات“ میں جس طرح نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ داخل ہے۔ اسی طرح حج یولنا، پچی گواہی دینا حسن معاشرت، اخوت، مالی حرام سے بچنا، دوسرے کی بدوعا سے بچنا، دوسرے کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرنا وغیرہ بھی شامل ہے۔ ان سب کا مجموعہ اعمال صالح ہے۔ جب تمام اعمال صالح بجالائے جائیں گے تو زمین میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو خلافت عطا کی جائے گی۔

ہمارے حصے میں غلامی کیوں آئی؟

آج بہت سے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ ہم اقتدار سے محروم ہیں، حالانکہ ایمان بھی لائے ہوئے ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور دیگر عبادات بھی بجا لاتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہی ہے کہ ہم نے تمام اعمال صالح کو اختیار نہیں کیا جن کی بنیاد پر خلافت ملا کرتی ہے۔ ہم نے وہ صفات اختیار نہیں کیں جو اقتدار کے لئے شرط تھیں۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ یورپ نے ہماری بہت سی اچھائیاں لے لیں اور یہ

ساری اچھائیاں وہ تھیں، جو دنیا بنا نے والی تھیں۔ اب ہمارے پاس جو اچھائیاں باقی ہیں جیسے نماز، روزہ، ان سے جنت تو ملے گی لیکن اس پر اقتدار کا وعدہ نہیں، لیکن دنیا بنا نے والی اچھائیاں ہمارے اندر موجود نہیں۔ ہماری یہ اچھائیاں انہوں نے لے لیں اور ان کی برائیاں ہم نے لے لیں جس کا نتیجہ یہ تکلا کہ ہمارے حصے میں غلامی آگئی اور ان کے حصے میں حکومت آگئی۔

یہ کافر قومیں آپس میں اس طرح گرد نہیں مار کر اپنی طاقت بر باد نہیں کر رہیں، جس طرح ہم اپنی طاقت بر باد کر رہے ہیں۔ اب حالت یہ ہے کہ جتنے مسلمان کشمیر میں مرتے ہیں، اتنے کراچی میں بھی مر جاتے ہیں، جتنے فلسطین میں مرتے ہیں، اتنے پاکستان میں بھی مر جاتے ہیں۔ فرق کیا رہا کافر میں اور مسلمان میں؟ کس کس کارونا روئیں؟!

محبت پیدا کرنے کے طریقے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمیں محبت کا درس دیتے ہوئے یہ ارشاد فرماتا ہے ہیں کہ تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے، جب تک تمہارے اندر ایمان نہ ہو اور تمہارا ایمان پورا نہیں ہو گا جب تک تمہاری آپس میں محبت نہ ہو۔ اور پھر محبت قائم کرنے کے طریقے بتاتا ہے ہیں۔

ایک طریقہ یہ بتالیا کہ آپس میں سلام کیا کرو۔ ہم نے اس طریقے کو ترک کر رکھا ہے۔

اور دوسرا طریقہ یہ بتالیا کہ جب نماز کیلئے کھڑے ہو تو تمہاری صفائی بالکل سیدھی ہونی چاہیں اور فالصے نہیں ہونے چاہیں ورنہ تمہارے دلوں میں فرق آ جائیں گے۔ آج ہمارے ہاں عام طور پر صفوں کے برابر کرنے اور مل کر کھڑے ہونے کی پابندی نہیں کی جاتی۔

غرضیکہ آج جب ہم ان اعمال کی پابندی نہیں کر رہے جن کی وجہ سے آپس

میں محبت پیدا ہوتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپس میں دشمنیاں پھیل رہی ہیں۔

دشمنی کے اسباب اختیار کئے جا رہے ہیں

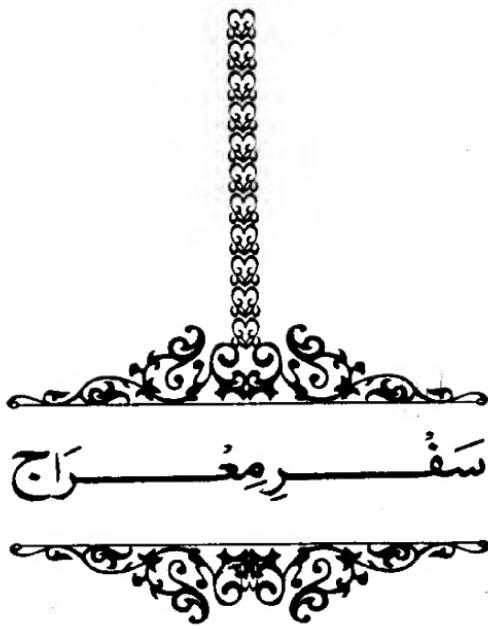
پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ دشمنی کے اسباب اختیار کئے جا رہے ہیں۔ غیبت کرنے سے دشمنی پیدا ہوتی ہے، چغلی سے دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ گالی دینے اور بہتان لگانے سے دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے ہاں ہو رہا ہے۔

اس وقت ہم کیا کریں؟ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، سوائے اس کے کہ اللہ رب العالمین کے سامنے آہ و زاری سے دعا کریں کہ یا اللہ! ہمیں اس حادثت سے نکال دے۔ ہمارے اندر محبوبیتیں پیدا فرمادے۔ ہمارے سیاسی اختلافات دشمنیوں کی حد تک نہ آئیں۔

کب عقل آئے گی؟

اگر بھی ہمیں عقل نہ آئی تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کب آئے گی۔ کیا اس وقت عقل آئے گی جب ہم رہی سی کی آزادی سے بھی ہاتھ دھو بیکھیں گے اور دشمن ہمارے اوپر پوری طرح قابل ضم ہو جائیں۔ اللہ پناہ میں رکھے اس وقت سے کہ جب یہاں دشمن کا دور دورہ ہو اور دشمن کی حکومت ہو۔ جن لوگوں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ جس قوم کی یہ حالت ہوا کرتی ہے، وہ غلامی کی طرف جایا کرتی ہے۔ یہ آثار اقتدار کی طرف جانے والے نہیں، غلامی کی طرف جانے والے ہیں، کچھ معلوم نہیں کہ اگر ہماری یہی حالت رہی تو کب ہم سے ہماری یہ آزادی چھن جائے۔ اللہ ہمیں وہ غم نہ دکھائے کہ ہم وہ المناک وقت دیکھیں، اس وقت سے پہلے ہمیں اٹھائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أَنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.



سَفَرْ رِمَضَانَ

خطاب حضرت مولانا مفتی محمد فیض عثمانی صاحب مدظلہم
مقام: مدرسة الہنات، جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ: ۲۹ نومبر ۱۹۹۷ء
ترتیب و عنوان: اعجاز احمد صمدانی

﴿سفر مراج﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿نَحْمَدُهُ وَنَصَّلِي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ﴾

اما بعد:

﴿قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:﴾

اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبٍ وَشَعْبَانَ وَبَلْغْنَا

رَمَضَانَ﴾ (الفردوس بـ مأثور الخطاب ج ۱ ص ۳۸۵، رقم

الحادیث: ۱۹۸۳، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۹۶، مجمع الزوائد، ج

۲ ص ۱۶۵ بـ باب الصلوۃ، مستند احمد ج ۱ ص ۲۵۹ فی مستند انس

شعب الإیمان للبیهقی ج ۳ ص ۳۷۵، رقم الحدیث: ۳۸۱۵)

بزرگان محترم اور برادران عزیز!

رجب کامہینہ برکتوں والا ہے:

رجب کامہینہ چل رہا ہے اور یہ مہینہ وہ ہے کہ جب یہ شروع ہوتا تھا تو ہمارے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت سے رمضان المبارک کی تمنا کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ

حدیث میں آتا ہے کہ جب رجب کا چاند نظر آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے:

اللَّهُمَّ بارِكْ لَنَا فِي رَجَبٍ وَشَعْبَانَ وَبَلْغْنَا
رَمَضَانَ۔

”اے اللہ! ہمیں رجب اور شعبان کے مہینے میں برکتیں عطا فرمائیے اور ہمیں رمضان تک پہنچا دیجئے۔“

”رمضان تک پہنچا دیجئے“ کا مطلب ہے کہ رمضان تک زندہ رکھنے تاک رمضان المبارک کے روزوں، نفلوں اور اس میں نازل ہونے والی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

اس حدیث میں سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ رجب کا چاند نظر آنے پر یہ دعا کرنی چاہئے جو اور گزری۔

دوسرے یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینے میں برکت کے لئے دعا کر رکھی ہے تو یہ مہینہ بڑی برکتوں والا ہے۔

اس مہینے میں معراج کا واقعہ پیش آیا

پھر اس مہینے کی ایک اور بڑی اہمیت ہے۔ وہ یہ کہ ایک روایت کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی مہینے میں معراج ہوتی ہے۔ معراج کے مہینے کے بارے میں روایتیں مختلف ہیں حتیٰ کہ سال بھی متعین نہیں ہے کہ کون سے سال یہ واقعہ پیش آیا البتہ اتنی بات متعین ہے کہ معراج کا واقعہ بھرت سے پہلے پیش آیا بلکہ اس سے بھی پہلے پیش آیا، لیکن کتنا عرصہ پہلے پیش آیا، اس کے بارے میں تقریباً دس روایات ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کی وفات اور طائف کے واقعے کے بعد پیش آیا۔

پھر مہینے کے بارے میں بھی پانچ روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ ربیع الاول میں یہ واقعہ آیا، ایک روایت ربیع الثانی کی ہے، تیسرا روایت رجب کی، چوتھی

رمضان المبارک کی اور پانچویں روایت شوال المکرم کی ہے۔ اسی طرح تاریخ بھی یقینی طور پر متعین نہیں کہ کونسی تاریخ کو یہ واقعہ پیش آیا البتہ تمام روایتوں کو دیکھنے کے بعد جو بات نسبتاً راجح معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ ۲۷ ربیع کو یہ عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔ (ملحظہ فرمائیے: فتح الباری ج ۷ ص ۲۱۷)

واقعہ معراج کی کوئی نظری نہیں

بلاشبہ معراج کا واقعہ پوری انسانی تاریخ کا عجیب ترین واقعہ ہے۔ پوری انسانی تاریخ میں اس کی کوئی نظری نہیں کہ کسی انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام عطا کیا ہو کہ راتوں رات ساتوں آسمانوں اور اس سے اوپر کی سیر کر کے پھر واپس بھی لے آئے۔ اور یہ ایسا واقعہ ہے کہ انسان محض اپنی عقل کے گھوڑے دوڑا کر اس کی حقیقت نہیں سمجھ سکتا۔ چنانچہ جب مشرکین مکہ کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ واقعہ بیان فرمایا تو وہ حیرت سے کہنے لگے کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جائے پھر اوپری بلندی کی طرف سفر شروع کرے۔ اس میں پہلا، دوسرا، تیسرا حتیٰ کہ ساتوں آسمان اور اس سے آگے تک کا سفر کر کے پھر وہاں جا کر نجانے کیا کیا مناظر دیکھے، پھر اسی رات میں واپس بھی آجائے۔ یہ سوچ کر بڑی خوشی خوشی بعض مشرکین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ ان کا خیال تھا کہ جب صدیق اکبرؑ کے سامنے یہ واقعہ بیان کریں گے تو فوراً جھلادیں گے چنانچہ جب آپؑ کی خدمت میں پہنچ اور سارا واقعہ بیان کرنے کے بعد کہا کہ تم جس کو نبی مانتے ہو، وہ ایسی باتیں کرتا ہے، بھلا تم ہی بتاؤ، کیا یہ بات عقل میں آنے والی ہے۔ صدیق اکبرؑ نے پوچھا کہ کیا واقعی آپؑ صلی اللہ علیہ وسلم یہی کہتے ہیں؟ انہوں نے ہاں میں جواب دیا تو آپؑ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات فرماتے ہیں تو پھر یقیناً یقیناً یہ بات بالکل صحی ہے۔ اس میں ذرہ برابر کوئی فرق نہیں۔ اسی تقدیق کے واقعے سے آپؑ کو ”صدیق“ کا لقب ملا۔

معراج کی رات دیدارِ الٰہی ہوا یا نہیں؟

کیا معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا دیدارِ نصیب ہوا یا نہیں؟ اس بارے میں بعض صحابہ کرام جن میں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود شامل ہیں، کی رائے یہ کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوا، اس کے برعکس بعض دوسرے صحابہ جن میں حضرت ابن عباسؓ بطور خاص شامل ہیں، کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا ہے۔ اگر دوسرے قول کو اختیار کیا جائے تو یہ بھی انسانی تاریخ کا پہلا واقعہ ہے کہ کسی انسان کو دنیا میں اللہ رب العالمین کا دیدار ہوا۔ (البتہ آخرت میں تمام جنتیوں کو یہ دیدارِ نصیب ہوگا)۔ یہ ایسا شرف ہے کہ اس سے بڑے بڑے فرشتے بھی محروم ہیں۔

آپ کتنی بلندی پر پہنچے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر میں کتنی بلندی تک پہنچے، اس کا اندازہ لگانا تقریباً ناممکن ہے اس لئے کہ جتنا فاصلہ یہاں سے پہلے آسمان تک کا ہے، اتنا ہی دوسرے آسمان سے تیسرے کا، تیسرے سے چوتھے کا، چوتھے سے پانچوں کا، پانچویں سے چھٹے اور چھٹے سے ساتویں آسمان کا درمیانی فاصلہ ہے۔ آج کی جدید نیکنالوجی ابھی تک اس زمین و آسمان کا درمیانی فاصلہ معلوم نہیں کر سکی۔ مختلف سیاروں کا درمیانی فاصلے معلوم ہوا ہے۔ زمین سے سورج تک کا فاصلہ بھی ناپاگیا ہے جو تقریباً ۹ کروڑ میل ہے اور ہاں سے زمین تک روشنی تقریباً ۸ منٹ میں پہنچتی ہے۔ اور بعض سیاروں کے درمیان اتنے فاصلے ہیں کہ میلوں کے حساب سے گنتی ختم ہو جاتی ہے تو اس کے لئے فلکیات کے ماہرین نے ایک نئی اصطلاح ایجاد کی جس کا نام ہے ”نوری سال“۔ نوری سال کا مطلب ہے وہ مسافت جس کو روشنی ایک سال مسلسل سفر کر کے طے کرتی ہے۔ اندازہ یکجھے کہ سورج جو ہم سے کروڑوں میل کے فاصلے پر ہے، اس کی روشنی ہم تک پہنچنے میں صرف

۱۔ کیونکہ روشنی ایک لاکھ چھیساں ہزار میل فی سینٹ کے حساب سے سفر کرتی ہے۔

آٹھ منٹ لگاتی ہے، بعض اس سے دور ہیں جن تک روشنی دنوں میں پہنچتی ہے۔ بعض ایسے ہیں کہ وہاں مہینوں سفر کے بعد روشنی وہاں پہنچ سکتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض سیارے اتنے دور ہیں کہ وہاں تک اگر روشنی بھیجی جائے تو اسے پہنچنے میں سالوں سال گجاتے ہیں۔ بعض سیارے ایسے ہیں کہ ان کے آپس کے فاصلے کئی کمی سو بلکہ کمی ہزار نوری سالوں کے برابر ہیں اور یہ سب کچھ دنیا کے آسمان کے نیچے نیچے ہے تو پہلے آسمان تک کافاصلہ کتنا ہوگا! اور ہر آسمان کا فاصلہ نچلے آسمان سے اتنا ہی ہے جتنا پہلے آسمان کا زمین سے تو خود اندازہ لگائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرواز کس قدر بلند ہوگی۔

سفر معراج کس قدر تیز رفتار تھا؟

اور پھر یہ کس قدر تیز رفتاری سے ہوا ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ آج کی جدید سائنس بھی اس تیز رفتاری کا صحیح اندازہ نہیں کر سکی۔ حدیث میں آتا ہے جس سواری پر آپ کو لے جایا گیا، وہ تقریباً خچر کے برابر جنت کا ایک جانور ہے، جس کا نام ”براق“ ہے۔ اس کی رفتار کا عالم یہ تھا کہ جہاں اس کی نظر پڑتی تھی، وہاں اس کا قدم پڑتا تھا۔ گویا نظر کی جو رفتار ہے، وہ رفتار اس کے جسم کی تھی۔ اگر اس براق کی نظر کی رفتار روشنی کی رفتار کے برابر ہوتی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنے جانے میں ہزاروں نوری سال گجاتے۔ معلوم ہوا کہ براق کی رفتار روشنی کی رفتار سے زیادہ تھی۔ آج کی سائنس بھی اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ رفتار کی کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی۔ اور آپ کی اس قدر تیز رفتار تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مجزہ تھی۔

وہاں بھی امت کو نیاد رکھا

یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس اوپرے مقام پر پہنچنے کے بعد بھی جب اللہ رب العالمین سے ہمکلامی ہوئی تو وہاں بھی امت کو یاد رکھا چنانچہ جب آپ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کیا۔

﴿الْتَّحِيَاتُ لِلَّهِ وَلَصَلَوَاتُ وَلَطَبَابُ﴾

”میری تمام قولی، جسمانی اور مالی عبادات اللہ کے لئے ہیں۔“

اور اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيَّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ﴾

”اے نبی! تجھ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں،“

جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام بھیجا اور فرمایا:

﴿السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ﴾

”ہم پر بھی سلامتی ہو اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر ہو۔“

گویا جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنا بڑا اعزاز ملاؤ امت کے نیکوکاروں کو بھی

شامل فرمایا۔

معراج کا تخفہ

اس معراج میں آپ پانچ نمازوں کا تخفہ لائے۔ یہ نمازوں ہر مومن کی معراج ہیں۔ آپ کے اس واقعہ معراج کی برکت سے ہر مسلمان کو دن میں پانچ مرتبہ اللہ کے قریب ہونے کا موقع ملا۔ حدیث میں آتا ہے کہ انسان سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب اس وقت ہوتا ہے جب سجدہ میں ہوتا ہے۔ (مسند ابی عوانۃ ج ۲ ص ۱۸۰) اس میں وہی معراج کی باتیں یہ بھی تشدد کے اندر دہراتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام بھی پڑھتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کے مطابق انہیں معراج نصیب ہوئی لیکن ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے محروم نہیں فرمایا بلکہ نماز کے ذریعے اپنے سے ہمکلام ہونے کی اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی قدر کرنے کی توفیق دے (آمین)

آن کل سربراہ مملکت سے ملاقات کرنا تو بڑی بات ہے، کسی وزیر یا گورنر سے

ملاقات کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو قیامت آ جاتی ہے۔ مہینوں چکر لگانے اور جوتے چھٹانے کے بعد ایک دو منٹ ملاقات کے لئے مل جائیں تو آدمی اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا ہے لیکن ادھر بادشاہوں کا بادشاہ، جہانوں کا مالک اور رب الارباب نے ہمارے لئے اپنے دروازے چوپٹ کھول دیے بلکہ پابندی لگادی کہ دن میں پانچ مرتبہ ضرور آؤ اور اس کے علاوہ ہر وقت آنے کی اجازت ہے اور پھر چاہے چتنی لمبی بات کرو (تلاوت کرو، نماز میں قرآن پڑھو) اس کی اجازت ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ:

﴿الصلوة معراج المؤمنين﴾ (شرح سنن ابن ماجہ ج ۱ ص)

(۳۱۳، باب الأمل و الأجل الخ)

ترجمہ: نمازِ مؤمنین کی معراج ہے۔

رجب کی کسی رات یادن میں عبادت کرنے کی کوئی خاص فضیلت ثابت نہیں

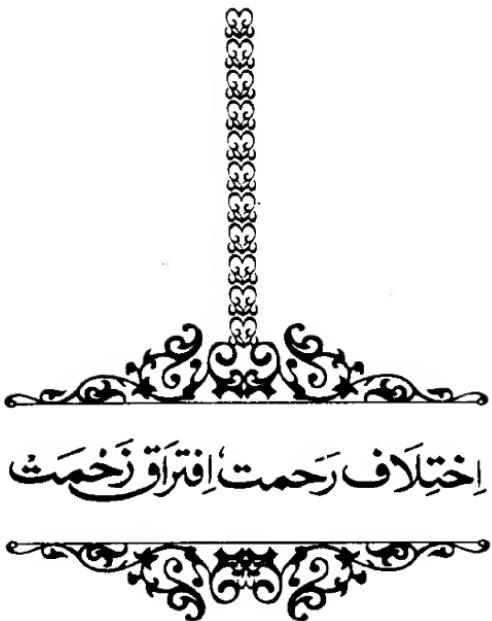
یہاں ایک بات یاد رکھیں۔ وہ یہ کہ کوئی بھی عبادت "قیاس" اور اپنی رائے کے ذریعے ثابت نہیں کی جاسکتی۔ جس کو قرآن یا حدیث نے عبادت قرار نہیں دیا، وہ عبادت نہیں۔ اب اگر کوئی شخص کسی عبادت میں اضافہ کرتا ہے یا کوئی نئی عبادت متعارف کرتا ہے تو گویا وہ اپنے عمل سے یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ دین پہلے مکمل نہیں تھا، وہ اب اسے مکمل کر رہا ہے۔ رجب کے مینے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یقینی طور پر یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی میں معراج ہوئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس مینے کی کوئی خاص فضیلت الگ طور پر نہیں آئی۔ کسی سند صحیح کے ساتھ یہ ثابت نہیں کہ ۲۷ ویں شب کو جانے اور ۲۷ رجب کا روزہ رکھنے کی کوئی فضیلت ہے۔ رات کو عبادت کرنے کے معاملے میں دوسری راتوں کی طرح یہ بھی ایک رات ہے اور دن کو روزہ رکھنے کے معاملے میں دنوں کی طرح یہ بھی ایک دن ہے، یعنی جو حکم باقی راتوں اور دنوں کا ہے، وہی حکم اس رات اور دن کا بھی ہے۔ اگر کوئی شخص اس رات کو جاگ کر عبادت کرے یادن کو روزہ رکھنے تو

بہت اچھی بات ہے۔ لیکن یوں سمجھنا کہ اس رات میں عبادت کرنے کا یادن کو روزے رکھنے کا کوئی خاص ثواب ہے، ہرگز درست نہیں کیونکہ یہ دین میں اضافہ ہے۔

کوئی رسم کا دین سے کوئی تعلق نہیں

اس میں میں ایک خاص رسم اور ہے جسے ”کوئی“ کا نام دیا جاتا ہے۔ اس میں مختلف طرح کی کھانے کی چیزیں پکار تقسیم کی جاتی ہیں۔ یہ خود ساختہ باقیں اور کھانے پینے کے دھنے ہیں۔ اگر اس دن کچھ کھانا پینا ہے تو اس میں کوئی ممانعت نہیں لیکن اس کو اللہ تعالیٰ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ کرو کہ انہوں نے اس دن کے کھانے پینے میں کوئی خاص فضیلت بیان کی۔ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے لگائے بغیر جو حال چیز کھانا چاہو، کھالو۔ لیکن خوب سمجھ لو کہ اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو راست قیم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر صحیح صحیح عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل اور پیغمبرت محبت نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أَنَّ الْحَمْدَ لِلّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.



خطاب: حضرت مولانا مفتى محمد رفيع عثمانى صاحب مدظلهم
مقام: مكان جناب بجهت ایوب زنجانى صاحب
جده، مدير المستودع الأقليمي الإمداد و
المساندة، المملكة العربية السعودية
تاریخ: کم جولائی ۱۴۰۳ء ۱۳ جمادی الاول ۱۴۲۵ھ
ترتیب و عنوانات: اعجاز احمد صمدانی

﴿اختلاف رحمت، افتراق زحمت﴾

خطبة مسنونة:

﴿نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ﴾

اما بعد:

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

﴿إِنَّمَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّقُولَهُ حَقًّا تُقَاتَهُ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ. وَأَعْتَصُمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾

﴿وَإِذْ كُرُوا إِنْعَمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَالَّذِي

بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ يَنْعَمُتُهُ إِخْرَانًا﴾

﴿وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَانْقَذَكُمْ مِّنْهَا

كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهَدُونَ﴾

تمہیدی کلمات

بزرگان محترم اور برادران عزیزا!

میں سب سے پہلے برادر عزیز جناب بھجت صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے یہ موقع فراہم کیا اور آپ حضرات کامنون ہوں کہ یہاں میں آپ حضرات سے اپنی معروضات پیش کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اس محبت کی جزاۓ خیر دے۔ (آمین)۔

جملہ معتبر نہ کے طور پر یہ بات عرض کر دوں کہ آپ حضرات کو شاید تجب ہو رہا ہے کہ میں نے احرام کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں لیکن ساتھ ساتھ میرے سر پر ٹوپی اور پاؤں میں موزے بھی ہیں۔ بات یہ ہے کہ میں نے ابھی تک اپنا احرام شروع نہیں کیا۔ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ احرام ان کپڑوں سے شروع نہیں ہوتا بلکہ جب تبلید نیت کے ساتھ پڑھ لیا جائے، اس وقت سے احرام شروع ہوتا ہے تو جب یہاں سے روائی کا وقت ہو گا، انشاء اللہ، میں احرام اس وقت شروع کروں گا۔

آیات خطبہ کا ترجمہ

محترم بھجت صاحب نے مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ اگرچہ یہ اجتماع بہت مختصر ہو گا لیکن اس میں مختلف تنظیموں اور سالک سے تعلق رکھنے والے احباب موجود ہوں گے تو کوئی ایسی بات ہونی چاہیجو ہم سب کے کام کی ہو۔ اسی وجہ سے میں نے قرآن مجید کی ان آیات کا انتخاب کیا جو آپ کے سامنے میں نے پڑھیں۔

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ اور تم مضبوطی سے کپڑے رکھو اللہ کی رسی کو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو کہ جب تم آپس میں

ایک دوسرے کے شمن تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں
الفت پیدا کی اور تم ہو گئے اس کے فضل سے بھائی بھائی۔“

یہودی سازشوں کے مقابلے کا طریقہ

”اذ لکتم اعداء فَلَفَّ بَيْنَ قَلُوبِكُمْ“ کے اندر اشارہ ہے اوس و خزرج کے اختلافات کی طرف۔ یہ دونوں مدینہ طیبہ کے مشہور قبیلے تھے۔ برہما برس سے ان کے درمیان قتل و غارت گری کا سلسلہ جاری تھا، اور یہودی جو مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں مقیم تھے، وہ ان دشمنیوں کو ہوادیتے تھے اور ان اختلافات اور لڑائی جھگڑوں سے ہی ان کی چاندی ہوتی تھی کیونکہ اس سے ان کا اسلحہ فروخت ہوتا تھا جس سے وہ خوب مال کرتے تھے۔

یہودی لڑائیوں کو ہوادیتے کے لئے کیا کیا سازشیں کرتے تھے، وہ ایک طویل داستان ہے اور وہ داستان تقریباً ایسی ہی ہے جیسی آج کل مسلمانوں کو لڑانے کے لئے دھراں جا رہی ہے۔ ان آیات کریمہ کے اندر ان سازشوں کا مقابلہ کرنے کا ایک طریقہ بتلایا گیا ہے۔ اور وہ ہے تقویٰ کا اختیار کرنا، اور آپس میں اتحاد و اتفاق سے رہنا۔

چنانچہ سب سے پہلے یہ حکم دیا گیا کہ ”بِاِيمَانِهِ الَّذِينَ أَمْنُوا اتَّقُوا اللَّهَ“ تقویٰ اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہر قسم کے گناہوں سے بچاؤ چھوٹے گناہوں سے بھی بچاؤ اور بڑے گناہوں سے بھی، کھلے ہوئے گناہوں سے بھی بچاؤ اور چھپے ہوئے گناہوں سے بھی، حقوق اللہ سے متعلق گناہوں سے بھی بچاؤ اور حقوق العباد سے متعلق گناہوں سے بھی۔

قرآن مجید کا ایک خاص اسلوب

قرآن مجید کا ایک اسلوب ہے کہ جب وہ کوئی حکم دیتا ہے اور اس میں بظاہر بندوں کے لئے طریقہ بھی بتلاتا ہے۔ چنانچہ یہاں ”تقویٰ“ کا حکم دیا گیا ”جو اتنا آسان

کام نہیں، گناہ، زبان، کان، دل، ہاتھ اور پاؤں کو ہر قسم کے گناہوں سے بچانا ایک مشکل کام ہے۔ اس مشکل کو آسان کرنے کا ایک طریقہ توبہ میں اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

﴿بِإِيمَانِهِ الَّذِينَ آمَنُوا أَتَقْفُوا اللَّهَ وَمُكُونُوَامَعَ
الصَّادِقِينَ﴾

”الصادقین“ سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جوزبان کے بھی پچے ہیں اور دل کے بھی، عقیدے کے بھی پچے ہیں اور عمل کے بھی یعنی اللہ والے۔

گویا یہ بتلا دیا کہ جب اللہ والوں کے ساتھ رہو گے تو تقویٰ حاصل کرنا آسان ہو جائے گا اور ہمارا تجربہ بھی یہی ہے کہ اللہ والوں کے ساتھ رہنے سے گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے مثلاً اگر ہم سفر میں جائیں، وہ پندرہ آدمی ہوں اگر سارے کے سارے نمازی ہیں، گناہوں سے نپھنے والے ہیں، متقی اور پرہیزگار ہیں تو گناہوں سے پچنا کچھ مشکل نہیں ہوتا بلکہ گناہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور اگر فاسق فاجر لوگوں کے ساتھ ہمارا سفر ہو رہا ہو کہ نماز کی پرواز ہے، نہ حلال و حرام کی اور نہ پاکی و نتاپاکی کی تو وہاں وضو کرنا مشکل، نماز پڑھنا مشکل اور گناہوں سے بچنا بھی مشکل۔

قرآن معیار حق ہے

اور یہاں یہ تقویٰ پر عمل کرنے کا ایک اور آسان راستہ بتایا۔ وہ یہ کہ ”اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تحام لو، یعنی یہ بتلایا کہ اگر قرآن کو مضبوطی سے تحام لو گے تو تقویٰ میں مدد ملے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن معیار حق ہے اور پھر قرآن نے جس چیز کو معیار حق بنایا ہے، وہ معیار حق ہے۔ قرآن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معیار حق بنایا ہے۔ صحابہ کرام کو معیار حق بنایا ہے، اللہ والوں کو معیار حق بنایا ہے۔

گویا پہلی بات یہ ہو گئی کہ قرآن مجید کو اپنارہبر و رہنمایا بنایا جائے لیکن قرآن مجید

ہی کو رہبر بنا کر ہم پوری طرح اس سے استفادہ نہیں کر سکتے کیونکہ انسان کا معلم کتاب نہیں ہوتی، بلکہ انسان ہوتا ہے۔ دنیا کا کوئی علم و فن صرف کتاب کے مطالعے سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ رب العزت نے ہر کتاب اور صحیفے کے ساتھ ایک نبی بھیجا۔ جسے اس کتاب یا صحیفے کا معلم بنایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے قرآن مجید بھیجا گیا اور آپ کو معلم قرآن کا خطاب دیا گیا ”وَيَعْلَمُهُمُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ“ آپ کے فرائض منصبی میں یہ بات شامل کی گئی کہ آپ قرآن مجید کے الفاظ بھی سکھائیں اور معانی بھی سکھائیں۔

کوئی کتاب کسی معلم کے بغیر نہیں آتی، البتہ ایسا ضرور ہوا ہے کہ نبی آیا ہے، کتاب نہیں آتی۔ معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے معلم کا ہونا ناگزیر ہے۔ وہ معلم تاجدار کو نین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور پھر ان کے شاگرد جنہوں نے ان سے یہ کتاب سمجھی یعنی صحابہ کرام پھر ان کے شاگرد، پھر ان کے شاگرد..... اخْلَاقُ اللَّهِ، یہ سلسلہ آج تک تو اتر کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔

اختلاف حدود کے اندر ہوتے مذموم نہیں

آگے حکم ہے کہ ”تم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے قائم لا اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو“۔ یہاں خاص طور پر اس اعتبار سے توجہ کی ضرورت ہے کہ قرآن مجید نے اس جگہ ”ولَا تَفْرِقُوا“ کا لفظ استعمال کیا ہے، ”ولَا تَخْتَلِفُوا“ کا لفظ استعمال نہیں کیا کیونکہ اختلاف یعنی اختلاف رائے اگر قرآن و سنت کی بنیاد پر ہو، اخلاص اور للہیت کے ساتھ ہو، اپنی بڑائی جتنا نے اور دوسروں کو ذلیل کرنے کی نیت سے نہ ہو اور ایسے مسائل میں اختلاف ہو جن میں واقعی اختلاف رائے ہو سکتا ہے (جنہیں اصطلاح میں ”مجتہد فیه“ مسائل کہا جاتا ہے) تو وہ اختلاف کوئی مذموم نہیں بلکہ محمود ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے درمیان بھی یہ اختلاف رائے رہا اور یہ اختلاف بھی

ان معاملات میں ہوا جن کے بارے میں قرآن و حدیث کا کوئی واضح حکم نہیں تھا۔ اختلاف رائے کے نتیجے میں ایک جماعت نے ایک رائے پر عمل کیا اور دوسری نے دوسری رائے پر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے کسی پر نکیر نہیں فرمائی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ غزوہ احزاب سے فارغ ہونے کے بعد جریل امین علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے زر ہیں اتنا دیں، ہم نے تو ابھی تک نہیں اتنا ریس۔ آپ کو اسی لمحے بنو قریظہ پر چڑھائی کرنی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً صحابہ کو بنو قریظہ کی طرف جانے کا حکم دیا اور فرمایا:

﴿لَا يَصِلُّنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا فِي بَنِي قَرِيزٍ﴾

”تم میں سے کوئی آدمی (عصر کی) نماز نہ پڑھے مگر بھی قریظہ میں۔“

صحابہ کرام روانہ ہو گئے لیکن راستے میں عصر کی نماز کا وقت تنگ ہو گیا۔ اب سوال یہ تھا کہ اگر عصر کی نماز بنو قریظہ پڑھیں تو نماز قضا ہو جائیگی یا اس کا وقت تکروہ ہو جائیگا اور اگر یہاں پڑھیں تو ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہو گی۔ اب صحابہ کرام کی دو آراء ہو گئیں۔ کچھ صحابہ کرام کا کہنا یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ ہمیں جلدی بنو قریظہ پہنچنا چاہئے یہاں تک کہ عصر و ہیں پڑھیں گویا نماز کو قضا کرنا مقصود نہیں، بلکہ جلدی پہنچنا مقصود ہے لیکن چونکہ اب عصر کے وقت کے اندر اندر وہاں پہنچنا مشکل ہے، اس لئے ہمیں نماز یہیں پڑھ لینی چاہئے۔

دوسرے صحابہ کرام کی رائے تھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ تھا کہ عصر بنو قریظہ میں پڑھنی ہے تو قضا ہو یادا، ہر حال میں نمازو ہیں پڑھنی چاہئے۔ چنانچہ کچھ صحابہ کرام نے راستے میں نماز پڑھ لی اور کچھ نہ وہاں پہنچ کر نماز ادا کی۔ بعد میں یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا گیا تو آپ نے کسی فریق پر نکیر نہیں فرمائی۔ اسی سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر قرآن و سنت کے کسی ارشاد میں دو معنوں کا

احتمال ہو اور ان میں سے کسی احتمال کو اہل علم اجتہاد کر کے اختیار کر لیں اور بعض دوسرے اہل علم دوسرے علم کو اختیار کر لیں تو ان میں سے کوئی جہت ممکن نہیں ہوتی۔ اور اس پر کوئی نکیر بھی جائز نہیں۔ اختلاف فقهاء کی حقیقت بھی یہی ہے۔

بلاشبہ اسلام ایک ہے لیکن.....

آج اختلاف فقهاء کو بہت اچھا لالا جاتا ہے کہ اسلام تو ایک ہے پھر یہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہونے کا کیا مطلب؟ بلاشبہ اسلام ایک ہے، اللہ ایک ہے، قرآن ایک ہے، تقبلہ ایک ہے، نبی ایک ہے، لیکن اسی ایک دین کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ پک رکھی ہے کہ کچھ احکامات کے اندر مختلف امکانات اور احتمالات رکھے تاکہ ہر زمانے کے فقهاء اور مجحدین قرآن و سنت کے دلائل پر غور کر کے مسائل کا استنباط کر سکیں اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں مجحدین کی آراء کے درمیان اختلاف ہونا ایک ظاہری بات ہے لیکن یہ اختلاف کرنے کا حق انہی کو ہے جن کے اندر اجتہاد کی صلاحیت موجود ہے، قرآن و سنت کے ماہر ہوں، ایک مضمون سے متعلق تمام احادیث ان کے علم میں ہوں۔

اختلاف رحمت کیسے بنتا ہے؟

ایسے لوگ جب کسی مسئلے میں اختلاف رائے کرتے ہیں تو یہ اختلاف رائے امت کے لئے رحمت بن جاتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک مسئلے سے متعلق دو مختلف اقوال ہیں۔ اور دونوں اقوال دلائل پر منی ہیں لیکن قطعی دلائل کسی فقیہ کے پاس بھی نہیں۔ اب کوئی حصہ بھور کن حالات کا شکار ہو گیا تو اس زمانے کے مفتی کے لئے یہ گنجائش ہوتی ہے کہ وہ دوسرے مذہب کے قول پر فتوی دے دے۔ اس کے بر عکس کسی دوسرے ملک میں اس کے بر عکس قول پر فتوی دینے کی شدید ضرورت پیش آئی تو وہاں کے مفتی کے لئے اس کی گنجائش ہے کہ وہ اپنے مذہب کو چھوڑ کر اس مخالف قول پر فتوی دے دے۔ گویا ایک ملک میں ایک قول پر فتوی دیا گیا اور دوسرے ملک میں اس کے

بر عکس قول کو اختیار کیا گیا، اس طرح شریعت کے اندر لپک پیدا ہوئی اور امت کے لئے رحمت بنتی۔ اسی کو فرمایا گیا کہ:

﴿ اختلاف امتی رحمة ﴾

(کشف الحفاء ج ۱ ص ۲۶، رقم الحدیث: ۱۵۳)

اختلاف کے باوجود تعظیم و تکریم

لیکن یہ اختلاف ہے ”تفرق“ نہیں ہے۔ صحابہ کرامؐ کے درمیان بھی اختلاف ہوا ہے ”تفرق“ نہیں ہوا۔ فقهاء کرام کے درمیان بھی اختلاف ہوا ہے ”تفرق“ نہیں ہوا۔ چنانچہ یہی اختلاف کے باوجود ائمہ مجتہدین ایک دوسرے کی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور آج بھی ان ممالک کے پیروکار ایک دوسرے سے بڑی تعظیم و تکریم سے ملتے ہیں۔ میں ابھی اردن سے آرہا ہوں، میرے سارے میزبان شافعی تھے، شام گیا تو وہاں کچھ شافعی، کچھ حنبلی اور کچھ حنفی تھے لیکن ہماری ان سب کے ساتھ دوستیاں تھیں۔ بعض دفعہ سفر میں ایسا ہوتا کہ ظہر کے وقت ہمارے بعض ساتھی کہتے ہیں کہ ہم تو عصر کی نماز بھی ابھی پڑھ رہے ہیں (کیونکہ ان کے مسلک میں اس کی گنجائش ہے کہ حالت سفر میں عصر کو ظہر کے وقت پڑھا جائے) ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے تم پڑھنا چاہو تو پڑھ لو۔ ہم اپنے وقت پر عصر پڑھتے تھے لیکن مجتبیں اور تعظیم و تکریم برقرار رہی۔

اب دیکھئے! امام شافعی اور بعض دیگر فقہاء کا نہ ہب یہ ہے کہ جب جماعت ہو رہی ہو تو مقتدى کے لئے بھی سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے جبکہ امام ابوحنیفہؓ کے نزدیک مقتدى کے لئے ایسی صورت میں صورۃ فاتحہ پڑھنا جائز ہی نہیں۔ یہ بہت بڑا اختلاف ہے۔ نماز کے متعلق جتنے اور اختلاف ہیں وہ افضل غیر افضل کے ہیں لیکن یہ اختلاف وجوب اور عدم جواز کا ہے اور دلائل دونوں کے پاس قوی درجے کے ہیں۔ یہ دلائل قرآن کریم، احادیث صحیح سے ہیں۔

امام شافعی شاگرد ہیں امام محمد کے اور امام محمد شاگرد ہیں امام ابوحنیفہ کے۔ امام شافعی امام ابوحنیفہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ وہی نماز کا وقت ہو گیا۔ امام شافعی کی عام عادت یہ تھی کہ وہ امامت کے لئے آگے نہیں بڑھتے تھے لیکن یہاں جب جماعت کا وقت ہوا تو خود ہی امامت کے لئے آگے بڑھ گئے۔ نماز پڑھائی اور اور اس میں رفع یہ دین نہیں کیا۔ (رفع یہ دین کا اختلاف افضل اور غیر افضل کا ہے، امام شافعی کے نزدیک رفع یہ دین کرنا افضل ہے جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک نہ کرنا افضل ہے)

جب نماز سے فارغ ہوئے تو کسی شاگرد نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ آپ کی عادت تو امامت کرانے کی نہ تھی یہاں آپ خود ہی آگے بڑھ گئے اور پھر رفع یہ دین بھی نہیں کیا۔ فرمایا کہ رفع یہ دین تو اس لئے نہیں کیا کہ یہ میرے نزدیک افضل ہی تو ہے، واجب تو نہیں۔ مجھے یہاں نماز پڑھتے ہوئے شرم آئی کہ میں امام ابوحنیفہ کی رائے کے خلاف عمل کروں اور امامت کے لئے اس لئے آگے بڑھا کہ اگر میں کسی کے پیچھے نماز پڑھتا تو مجھے سورۃ فاتحہ پڑھنا پڑتی کیونکہ میرے مسلک کے مطابق اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی مگر یہاں ہوتے ہوئے امام صاحب کے مسلک کے خلاف عمل کرتے ہوئے شرم آئی لہذا میں امام بن گیا کیونکہ امام کو دونوں مذاہب کے مطابق سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

یہ تھا ان لوگوں کا آپس میں اکرام اور تعظیم۔ جو لوگ ان اختلافات کو طعنہ زنی کا ذریعہ بناتے ہیں وہ پر لے درجے کی بدیانتی سے کام لیتے ہیں یا پر لے درجے کی ناواقیت کی بنیاد پر کہتے ہیں۔ جو حضرات ان اختلافات کی حقیقت کو جانتے ہیں، انہیں معلوم ہے کہ یہ اختلاف مخفی اللہ کے لئے تھا، اس میں نفسانیت کا کوئی دخل نہیں تھا بلکہ جو اختلافات فتحاء کرام کے درمیان بعد میں ہوئے یہ صحابہ کرام کے درمیان بھی موجود تھے۔ چنانچہ بعض صحابہ کرام "قرأت فاتحہ خلف الامام" کرتے تھے، بعض نہیں کرتے تھے، بعض رفع یہ دین کرتے تھے، بعض نہیں کرتے تھے، بعض آمیں بلند آواز سے کہتے تھے،

بعض نہیں کہتے تھے۔ ”نماز قصر“ کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا مسلک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مختلف تھا۔ یہ سب باتیں تھیں لیکن اس کے باوجود قرآن مجید ان کے بارے میں فرماتا ہے کہ:

﴿إِشْدَادُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحْمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح، ۲۹)

(صحابہ کرامؓ) کافروں کے مقابلے میں ختم اور آپس میں نرم دل ہیں۔

قرآن مجید نے یہ تمغہ امتیاز تمام صحابہ کرامؓ گو دیا ہے کہ وہ آپس میں رحیم و کریم ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کا یہ اختلاف خالص للهیت پر ہوتی تھا۔

جنگ جمل و صفين سے متعلق اشکال و جواب:

یہاں ہر کوئی سوال کر سکتا ہے کہ جنگ جمل اور جنگ صفين کے جو واقعات پیش آئے، وہاں ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی ہوئی ہے، یہ کیا تھا؟ یہ تفرق تھا یا اختلاف تھا؟ جائز تھا یا ناجائز تھا؟ نفسانیت پر منی تھا یا للهیت کی بنیاد پر تھا؟

اس کا اصولی جواب تو اسی آیت میں آگیا جواہی بیان ہوئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات ”رحماء بینهم“ تھے۔ لہذا معلوم ہوا کہ ان کی کوئی جنگ نفسانیت کے لئے نہ تھی۔ چنانچہ اس کے بہت سے دلائل بھی ہیں جنہیں تاریخ نے محفوظ کر رکھا ہے۔

(۱) حضرت علیؓ سے جنگ صفين کے موقع پر پوچھا گیا کہ کل کی جنگ میں اگر ہم اپنے مخالف لشکر کے صحابہ کو قتل کریں گے تو ان کا کیا حکم ہو گا فرمایا کہ وہ شہید ہوں گے۔ پوچھا گیا کہ ہمارے لشکر کے آدمیوں کو قتل کیا گیا تو ان کا کیا حکم ہو گا؟ فرمایا کہ وہ بھی شہید ہوں گے۔ یہی سوال حضرت معاویہؓ سے بھی کیا گیا۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت علیؓ نے دیا۔ لے کیونکہ دونوں فریق اللہ کے لیے ٹھر ہے تھے حکومت کے لیے نہیں۔

(۲) دوسری دلیل جو تاریخ نے محفوظ رکھی۔ عربی کی معروف لغت ہے ”قاموس“ اس کی شرح ہے ”تاج العروس“ جو علامہ زبیدیؒ نے لکھی۔ اس شرح میں ”اطفالین“ کے لفظ کے تحت انہوں نے ایک واقع نقل کیا ہے۔ اطفالین ”اطفالینہ“ کی جمع ہے۔ معنی گا جر، علامہ زبیدیؒ اس کلمے کے تحت نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ و حضرت معاویہؓ کے درمیان مقابلہ ہونے والا تھا تو ایک عیسائی حکمران کی طرف سے حضرت معاویہؓ کے پاس خط آیا اور اس میں انہیں ہر قسم کی مدد کرنے کی پیشکش کی۔ (اس بادشاہ نے اس موقع پر بہترین انداز میں فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور واقعہ یہ ہے کہ اگر آج کا کوئی حکمران ہوتا تو کہتا اہل سہلہ و مر جا، لیکن معاویہ تو معاویہ تھے، تاج دار کو نہیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے) انہوں نے جواب میں لکھا کہ او عیسائی! تو نے یہ سمجھا ہوگا کہ میں علی کا دشمن ہوں یا علی میرا دشمن ہے۔ یاد رکھ! وہ میرا بھائی ہے اور میں اس کا بھائی ہوں اور یہ جنگ ہم دو بھائیوں کی جنگ ہے۔ اگر تو نے اس میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تو علیؑ کے لشکر کا سب سے پہلا سپاہی بن کر جو نکلے گا اور گا جر کی طرح تیر اس سترن سے جدا کرے گا، وہ معاویہ ہوگا۔

یہ شان تھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی۔ سچی بات یہ ہے کہ ہم صحابہ کرام کو آج کل کے سیاستدانوں پر قیاس کرتے ہیں۔ زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم کہاں اور صحابہ کرام کہاں۔ قرآن مجید اور احادیث ان کے فضائل سے بھری پڑی ہیں۔

ایک اہم اصول:

ایک بڑا اصول یاد رکھنے کا ہے جو ہمارے والد ماجدؔ نے اپنی کتاب ”مقام صحابہ“ میں تحریر فرمایا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب آپ پتاریخی کتاب اٹھائیں گے تو آپ

تاج العروس ج ۷ ص ۲۰۸ نیز ملاحظہ فرمائیے ”الغریب للخطابی“ ج ۲ ص ۵۳۵، الفائق ج ۱ ص ۱۳۶،
لسان العرب ج ۱ ص ۱۱۶ و ص ۱۵۳۔

کو اس میں طرح طرح کی چیزیں ملیں گی۔ حریت ہو گی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت معاویہؓ بھلا ایسا کر سکتے ہیں! کہیں حضرت عمرو بن العاصؓ کے بارے میں بھی بتیں ملیں گی۔ کہیں کسی اور کے بارے میں ملیں گی لیکن واقعہ یہ ہے کہ تاریخی روایات کی سند اس قدر مضبوط نہیں ہوتی جس قدر احادیث کی مضبوط ہوتی ہے اور نہ سورخین ان کڑی شرائط کی پابندی کرتے ہیں، جن کی پابندی محدثین کرتے ہیں۔ تاریخ کے اندر کمزور بلکہ جھوٹے راویوں کی روایات بھی آجاتی ہیں جبکہ احادیث کے اندر کاوشیں کر کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کیا گیا ہے۔ اور صحابہ کرام کے فضائل، ان کی بزرگی، ان کے لقنس اور ان کی عدالت کو قرآن اور احادیث متواترہ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کے لقنس کا مسئلہ عقیدے کا مسئلہ ہے۔ اور عقیدے یا تو قرآن کریم سے ثابت ہوتے ہیں یا احادیث متواترہ سے ثابت ہوتے ہیں۔ تاریخی روایات سے تو کیا ثابت ہوتے، حدیث کی تسمیہ خبر واحد سے بھی ثابت نہیں ہوتے۔ لہذا صحابہ کرام کی عدالت کو محروم کرنے والی چتنی روایات تاریخ میں ہوں گی، وہ سب روایت کے نوکرے میں پھیلنے کے قابل ہیں۔

ایک عجیب بات:

میرے والد ماجدؒ ایک عجیب بات فرماتے تھے وہ یہ کہ جہاں بھی کوئی قطعی بات نہیں ہو گی بلکہ مختلف طرح کے اختلافات ہوں گے اور بہت سے آدمی اس پر غور و خوض کر رہے ہوں گے تو وہاں اختلاف رائے کا ہونا ناگزیر ہے۔ اختلاف رائے نہ ہونے کی صرف دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو سب کے سب بے وقوف ہوں کہ جیسا ایک نے کہا سب نے ہاں میں ہاں ملا دی یا سب کے سب منافق کہ رائے تو کچھ اور ہے لیکن ہاں میں ہاں ملانے کے لئے اپنے دل کی رائے پوشیدہ رکھی۔ لیکن اگر منافق بھی نہیں ہوں گے اور بے وقوف بھی نہیں ہوں گے بلکہ سمجھدار اور دیانتدار ہوں گے تو پھر اختلاف رائے

ضرور ہوگا۔ چنانچہ قرآن و سنت کی تشریع میں صحابہ کرام کا بھی اختلاف ہوا اور انہمہ مجتہدین کا بھی اختلاف ہوا لیکن یہ اختلاف ہے ”تفرق“ نہیں ہے۔ اختلاف جائز ہے۔

تین چیزیں:

تفرق پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ ہن میں رکھیں کہ اختلاف کے متعلق جوابات ہوئی ہے، اس کا حاصل اور لب لباب تین چیزیں ہیں۔

ایک یہ کہ جو اختلاف قرآن و سنت کی بنیاد پر اخلاص ولہیت کے ساتھ ہوا اور اختلاف کرنے والوں میں وہ الہیت بھی موجود ہو جو اس کے لئے ضروری ہے تو یہ اختلاف منوع نہیں بلکہ امت کے لئے رحمت ہے۔

دوسرے یہ کہ ایسے مسائل جن میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے۔ یعنی ایک سے زیادہ آراء کا احتمال ہوتا ہے اس میں جو فریق بھی جو جہت اختیار کرے وہ ممکن نہیں ہوتی۔ جب وہ ممکن نہیں تو کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ دوسرے کو اس کی بنیاد پر ٹوکے مثلاً ایک شخص رفع یہ دین کر رہا ہے، دوسرا نہیں کر رہا، کرنے والے کے لئے جائز نہیں کہ وہ نہ کرنے والے کو ٹوکے اور نہ کرنے والے کے لئے بھی جائز نہیں کہ کرنے والے کو ٹوکے۔ کیونکہ کوئی جہت بھی ممکن نہیں، اور ”غیر ممکن پر تغیر کرنا خود ممکن ہے۔“

تیسرا بات یہ ہے کہ ہم جو مثلاً یہ کہتے ہیں کہ ہم حنفی ہیں اور فلاں شافعی یا مالکی یا حنبلی ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ امام ابوحنیفہ کا یہ قول یقیناً، یقیناً صحیح ہے اور امام شافعی کا قول یا کسی اور امام مثلاً امام احمد بن حنبل یا امام مالک کا قول جو اس کے مقابلے میں ہے، وہ یقیناً غلط ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمارا قول ”منظون الصواب او محتمل الخطاء“ ہے جبکہ دوسرے کا قول ”منظون الخطاء او محتمل الصواب“ ہے۔ یعنی ہمارا ظن غالب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا قول صحیح ہے، اگرچہ احتمال اس کے غلط ہونے کا بھی ہے اور دیگر ائمہ کے بارے میں ہمارا نظر یہ یہ ہے کہ ہمارا ظن غالب یہ ہے کہ وہ

خطا ہے لیکن احتمال یہ بھی ہے کہ وہ صحیح ہو۔

تفق کے جواز کی کوئی صورت نہیں:

دوسری چیز ہے ”تفق“ یعنی مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا۔ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ شریعت نے کسی بھی حالت میں اس کی اجازت نہیں دی۔ خنزیر کا گوشت جتنا بڑا حرام ہے، مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اس سے بڑا حرام ہے۔ خالص انگور کی شراب پینا جتنا بڑا گناہ ہے، مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اس سے بڑا گناہ ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ بعض انتہائی مجبور کرنے والات میں شریعت نے ایک حد تک خنزیر کا گوشت کھانے اور شراب پینے کی اجازت دے دی (مثلاً ایک شخص کی بھوک یا پیاس کی وجہ سے جان جا رہی ہے اور کوئی حلال چیز میر نہیں تو اتنا خنزیر کا گوشت کھالینا یا تی شراب پی لینا کہ جس سے جان بچ جائے، اس کی اجازت دے دی) لیکن مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی اجازت کسی حالت میں نہیں دی۔ جتنا ہم نے قرآن و سنت میں غور کیا اور جتنا ہمارے بزرگوں نے ہمیں سکھایا، ہمیں یہی نظر آیا کہ ”تفق“ کے جواز کی کوئی صورت نہیں۔

نبی عن انکنکر کب ضروری ہے؟

آج کے دور کی سب سے بڑی مصیبۃ یہ ہے کہ باہمی اختلاف رائے کو باہمی جنگ اور پھوٹ ڈالنے کا ذریعہ بنالیا گیا۔ شیطان کا ایک بڑا کمال یہ ہے کہ وہ عالم کے پاس عالم کے روپ میں آتا ہے، صوفی کے پاس صوفی بن کر آتا ہے اور فقیہہ کے پاس فقیہہ بن کر آتا ہے اور اسے یہ سمجھاتا ہے کہ دیکھو فال شخص نے یہ کام غلط کیا ہے اور کلمہ حق کہنا فرض عین ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ:

﴿مَنْ رَاىٰ مِنْكُمْ مُنْكِرًا فَلْيُعِرِّهِ، بَيْدَهُ فَإِنْ لَمْ

يُسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ وَإِنْ لَمْ يُسْتَطِعْ فَبِلِّهِ وَذَلِكَ

اضعف الایمان۔﴾ (مسلم، کتاب الایمان)

”جو تم میں سے کوئی برائی ہوتی دیکھئے تو چاہیے کہ اسے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“

لیکن یہ بات فراموش کر دیتا ہے کہ وہ جس کو روکنے جا رہا ہے وہ منکر ہے ہی نہیں کیونکہ اس کا تعلق مجتہد فی مسائل سے ہے۔ اور اگر منکر بھی ہو لیکن اس پر تکمیر کرنے کی وجہ سے کوئی برا فتنہ پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں ”نبی عن المکر“ بھی جائز نہیں ہوتا، بلکہ سکوت واجب ہو جاتا ہے۔ حدیث میں جو آیا ہے کہ

﴿مَنْ رَأَىٰ مِنْكُمْ مُنْكِرًا فَلَا يُغِيرُهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ...الخ﴾

یہاں پر استطاعت سے صرف حسی استطاعت اور قدرت مراد نہیں بلکہ قدرت میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اگر اس منکر کے ازالے سے کوئی دوسرا منکر پیدا ہونے کا اندیشہ ہے یا مسلمانوں میں پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہے تو یوں سمجھا جائے گا کہ قدرت حاصل نہیں اور سکوت کرنا واجب ہو جائے گا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کا واقعہ:

اس کی مثال: صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدریؓ کا یہ واقعہ ہے کہ ان کے دور میں مروان بن حکم مدینے کا گورنر تھا۔ اس نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ عید کی نماز میں خطبہ نماز سے پہلے دینا شروع کر دیا۔ ایک مرتبہ حضرت ابوسعید خدریؓ اور وہ اکٹھے عید گاہ کی طرف آئے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ نے اسے مصلی کی طرف بڑھایا لیکن وہ منبر پر چڑھ گیا۔ جب وہ خطبہ دینے لگا تو ایک شخص کھڑا ہو گیا۔ اس نے کوئی سخت کلامی نہیں کی۔ صرف ایک جملہ بولا کہ

﴿الصلوة قبل الخطبة﴾

”نماز خطبے سے پہلے (ادا کرنا ضروری) ہے۔“

لیکن مروان نے کہا کہ وہ طریقہ متروک ہو چکا ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

﴿اما هذا فقد قضى ماعليه "مسلم كتاب الایمان"﴾

(یہ شخص جس نے یہ مسئلہ بتایا) اس نے وہ فریضہ ادا کر دیا جو اس کے ذمے تھا۔ اب یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہاں حضرت ابوسعید خدریؓ اور اس شخص کو یہ حسی قدرت حاصل تھی کہ مروان کو پکڑ کر منبر سے نیچے اتار دیتے لیکن شرعی قدرت نہیں تھی کیونکہ اگر ایسا کرتے تو لڑائی جھگڑا پیدا ہو جاتا۔ کچھ لوگ حضرت ابوسعید خدریؓ کا ساتھ دیتے اور کچھ مروان بن حکم کا ساتھ دیتے۔ جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر پھوٹ پڑتی، تو حضرت ابوسعید خدریؓ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ یہاں صرف زبان سے سمجھا دینا کافی تھا، ہاتھ استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ معلوم ہوا کہ مکر کا ازالہ بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس سے مسلمانوں میں پھوٹ نہ پڑے۔

عید کی نماز میں سجدہ سہو کیوں معاف ہے؟

اس کی ایک اور مثال یہ ہے کہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر نماز میں واجب چھوٹ جائے تو سجدہ سہو نہ کیا جائے۔ وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اگر عید کی نماز میں واجب چھوٹ جائے تو سجدہ سہونہ کیا جائے۔ کوئی فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر عید کی نماز میں جماعت زیادہ ہوتا ہے اور اس کا طریقہ عام نمازوں سے کچھ مختلف بھی ہے اس میں اگر سجدہ سہو کیا جائے گا تو بہت سے وہ لوگ جو پوری طرح مسائل سے واقف نہیں ہوتے وہ الجھن کا شکار ہو جائیں گے۔ کوئی سجدہ کرے گا، کوئی سلام پھیرے گا کوئی کھڑا ہو جائے گا۔ پھر آپس میں

جھگڑا ہوگا۔ کچھ لوگ امام کے سر پر جائیں گے کہ تم نے ہماری نماز خراب کر دی تو شریعت نے امت کو جھگڑے سے بچانے کے لئے یہ حکم دے دیا کہ یہاں بجدہ سہو ہی نہ کرو۔

حطیم کو بیت اللہ میں کیوں شامل نہیں کیا گیا؟

اس کی ایک اور بہت واضح مثال یہ ہے کہ بیت اللہ شریف جو پوری امت مسلمہ کا قیامت تک کے لئے قبلہ ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کے گرد کچھ حصہ ”حطیم“ کہلاتا ہے۔ یہ دراصل بیت اللہ کا حصہ تھا لیکن جب قریش نے اس کی تعمیر کی تو ان کے پاس پیوس کی کی تھی، اس لئے انہوں نے کچھ حصہ چھوڑ دیا۔ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادیں حطیم کے حصے تک پہنچیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقۃؓ سے فرمایا کہ اگر تیری قوم (یعنی مسلمان) حدیث العهد بالاسلام نہ ہوتی (یعنی اگر یہ تازہ تازہ مسلمان ہوئے نہ ہوتے) تو میں اس بیت اللہ کو حضرت ابراہیم کی بنیادوں کے مطابق تعمیر کرتا۔ (لیکن چونکہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں، اس لئے خطرہ ہے کہ اگر میں اسے منہدم کر کے حطیم والا حصہ شامل کروں گا تو نئے مسلمانوں میں کچھ لوگ بے چینی کا شکار ہوں گے جس سے مسلمانوں میں پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہے) (بخاری، باب من ترک بعض الاختیار، مخافۃ ان یقصر فهم بعض الناس الخ، رقم الحدیث: ۱۲۶، مسلم، رقم الحدیث: ۱۳۳۳)

دیکھئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پھوٹ سے بچانے کے لئے بیت اللہ کو، جو قیامت تک کے لئے مسلمانوں کا قبلہ بنتا تھا، نامکمل چھوڑ دیا اور آج تک نامکمل چلا آ رہا ہے حالانکہ یہ کھربوں انسانوں کا قبلہ ہے اور اس کا رتبہ مسجد سے کہیں زیادہ ہے لیکن مسلمانوں کو پھوٹ سے بچانے کے لئے اسے نامکمل کے بغیر چھوڑ دیا گیا۔

مسلمانوں کی تباہی کے دو اسباب:

حضرت شیخ البہمن رحمۃ اللہ علیہ جب مالک جیل کی صعوبتیں اور مشقتیں برداشت

کر کے رہا ہو کر واپس دیوبند تشریف لائے تو وہاں مجالس ہوا کرتی تھیں۔ حضرت اپنے حالات سنایا کرتے۔ ایک مجلس میں، جس میں صرف علماء ہی علماء تھے حضرت نے فرمایا کہ ہم نے اس پورے مالٹا کے قیام کے دوران دو سبق سکھے۔ مجلس میں بڑے بڑے مشاہیر علماء موجود تھے وہ سب چونک کہ متوجہ ہوئے کہ اپنے وقت کا امام جودو باقی سیکھ کر آیا ہے، وہ کتنی اہم ہوں گی، فرمایا کہ ہم کو دو چیزوں نے تباہ کیا ہے۔ ایک قرآن سے دوری نے اور دوسرے مسلمانوں کے باہمی افتراق نے۔ میں یہ سبق لے کر آیا ہوں کہ زندگی کے جتنے لمحات باقی ہیں وہ قرآن مجید کی خدمت میں اور مسلمانوں کے افتراق کو ختم کرنے میں گزارنے ہیں۔ ”ہر براہی کو ایک وقت تک اور ایک حد تک برداشت کیا جاسکتا ہے لیکن مسلمانوں کے افتراق و انتشار کو کسی حالت میں برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

دو متكلبوں میں کبھی اتحاد نہیں ہو سکتا:

ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دو متكلبوں میں کبھی اتحاد نہیں ہو سکتا۔ اتحاد کے لئے ضروری ہے کہ ایک آدی اپنی موصیحیں پیچی کرنے کے لئے تیار ہو۔ اگر دونوں اپنی موصیحیں اپنی رکھیں گے تو کبھی اتحاد نہ ہو گا۔ اور کبہ کا ہونا تقویٰ کے منافی ہے۔

اپنا مسلک چھوڑ نہیں، دوسروں کا مسلک چھیڑ نہیں:

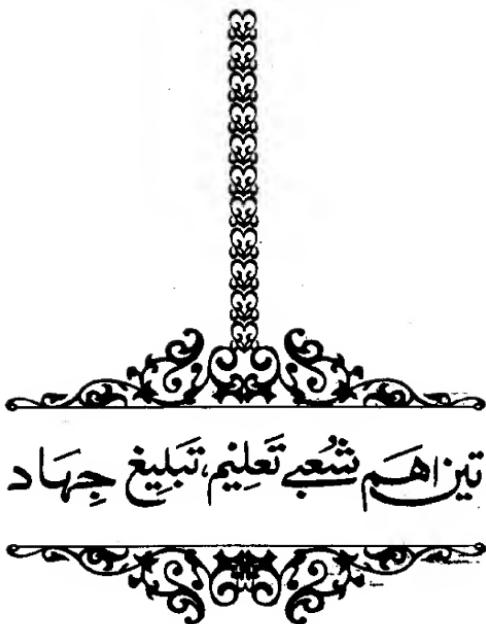
کرنا کیا چاہئے؟ اس سلسلے میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ملفوظ جو بہت مختصر ہے، یاد رکھنے کے قابل ہے، وہ یہ کہ ”اپنا مسلک چھوڑ نہیں، دوسروں کا مسلک چھیڑ نہیں۔“ جو جس مسلک کا پیروکار ہے وہ اپنے اپنے مسلک پر عمل کرے۔ لیکن دوسروں کو نہ چھیڑے۔ یہ وہی بات ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں کوئی جہت ملنکری نہیں ہوتی اور جب ملنکری نہیں تو اس پر نکیر کرنا جائز نہیں (یعنی اسے چھیڑنا جائز نہیں)

خلاصہ:

پس میری گزارشات کا خلاصہ یہ نکلا کہ اختلاف جائز ہے اور اختلاف کرنے والوں کی آراء کا احترام بھی لازم ہے لیکن افتراق کسی حال میں جائز نہیں۔ ہم اسی افتراق کی وجہ سے تباہ ہو رہے ہیں۔ علامہ اقبال کے کچھ اشعار اس معاملے کی بڑی اچھی ترجمانی کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ:

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا بھی، دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پہنچنے کی سہی ذاتیں ہیں
آج کفر ہمیں مٹانے پر تلا ہوا ہے اور ہم آپس میں جھوٹے کر رہے ہیں۔
ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے مسلک پر عمل کرے اور بھائیوں کی طرح
مل کر رہے اور مل کر کفر کا مقابلہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔
(آمین)

آخِر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين۔



تیز اہم شعبے تعلیم، تبلیغ، جہاد

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مذہب
مقام: تبلیغی مرکز ڈیز بری، انگلینڈ
تاریخ: ۲۲ سبتمبر ۱۹۹۶ء
ترتیب و عنوانات: ایضاً احمد صدیقی

﴿تَمَّ اهْمَمْ شَعْبَهُ تَعْلِيمٌ، تَبْلِغٌ، جَهَادٌ﴾

خطبۃ مسنونۃ:

﴿الحمد لله نحمدہ و نستعينہ، و نستغفرة و نومن
بہ و نتوکل علیہ و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من
سیئات اعمالنا . من يهدی الله فلامضی لہ و من
يضلله فلا هادی لہ و نشهدان لا إله إلا الله وحده
لا شريك لہ و نشهد ان سیدنا و سندنا و مولانا
محمدًا عبدہ و رسوله صلی الله تعالیٰ علیہ وعلی
آلہ و صحبه اجمعین .﴾

اما بعد:

فاعوذ بالله من الشیطان الرجيم
بسم الله الرحمن الرحيم
﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً
مِّنْهُمْ يَتَلَوَّ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيَعْلَمُهُمُ الْكِتَابَ

وَالْحُكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفْتُ صَلَالِ مُبِينٍ ﴿٦﴾ (آل

عمران، ۱۶۳)

وقال تعالى:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نَزَّلَ إِلَيْهِمْ
وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (الحل، ۳۵)

وقال تعالى:

﴿وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَا عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران، ۱۰۳)

وقال تعالى:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولَ بَلَّغْ مَا أُنزَلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۝ وَإِنْ لَمْ
تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۝ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ
النَّاسِ﴾ (المائدہ، ۶۷)

وقال تعالى:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَآمَوَالَهُمْ
بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتَلُونَ
وَيُقْتَلُونَ﴾ (التوبہ، ۱۱۱)

کفرستان آج دین کی سر بلندی کا سنگ میل

بزرگان محترم اور برادران عزیز

اگر ہمارے جسم کا روایں روایں بھی اللہ کا شکر ادا کرنے لگ جائے تو اللہ تعالیٰ کی
اس نعمت کا شکر ادا نہیں ہو سکتا کہ یہ سر زمین جو آج سے سامنہ ستر سال پہلے اذانوں سے

محروم تھی، اللہ کے ذکر سے بے بہرہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی قربانیوں کو ایسا اثر دیا کہ آج وہی کفرستان اللہ کے دین کی سر بلندی کا ایک بہت بڑا سنگ میل محسوس ہوتا ہے۔ ان دعوت کا کام کرنے والوں کے دل سے کوئی پوچھتے جنہوں نے یہاں کے برفتانوں میں عین برفباری کے دوران کھلے میدانوں میں کس طرح راتیں گزاری ہیں، کوئی انہیں ٹھہرائے والا بھی نہیں تھا۔ ان حالات میں اللہ کا پیغام گھر گھر پہنچایا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اللہ تعالیٰ نے اس کے شرات یہ دھلانے کہ اب یہاں جگہ جگہ مسجدیں ہیں جو نمازیوں اور ذاکرین سے آباد ہیں۔ اور اسی دعوت والی محنت کا نتیجہ ہے کہ جگہ جگہ مکاتب قرآنی کھلے ہوئے ہیں۔

پاکستان، ہندوستان اور بھگد دیش کے جو خاندان دین سے بے بہرہ تھے، نمازیں نہیں پڑھتے تھے، واڑھیاں نہیں رکھتے تھے، پچوں کو قرآن مجید کی تعلیم نہیں دلواتے تھے، وہ یہاں آئے تو ملازمت اور مزدوری کے لئے تھے لیکن یہاں پر ہونے والی دعوت کی محنت کے شرات نے ان کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا۔

دین کی محنت رائیگاں نہیں جاتی

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جو محنتیں کی جاتی ہیں، کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔ ذرا دیکھتے تو سہی کہ غزوہ خندق کے موقع پر جب وہ چٹان آگئی جو صحابہ کے زور لگانے کے باوجود نہیں ٹوٹ رہی تھی۔ تو تاجدار دو عالم، سرور کوئین صلی اللہ علیہ وسلم کو صورت حال سے آگاہ کیا گیا۔ آپ تشریف لائے۔ آپ نے اللہ کا نام لے کر کداں ماری تو اس سے چنگاری نکلی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس میں قیصر کے محلات دکھائی دے رہے ہیں، دوسری مرتبہ کداں مارنے سے چنگاری نکلی تو فرمایا کہ مجھے کسری کے محلات نظر آئے ہیں۔ تیسری مرتبہ فرمایا کہ مجھے یہن کے محلات نظر آ رہے ہیں۔ اور پھر فرمایا کہ میرے سامنے ان کے خزانے پیش کئے گئے۔ میں تمہیں یہ خوشخبری سناتا ہوں کہ تم ان ملکوں کو فتح کرو گے۔

کمال مدینہ میں ماری جا رہی تھی۔ اس کے اثرات قیصر و کسری کے محلات پر پڑ رہے تھے کمال آج ماری جا رہی تھی، اس کے اثرات دس سال بعد ظاہر ہونے والے تھے۔ اسی طرح دعوت کی محنت ایک جگہ کی جاتی ہے۔ اس کے اثرات دوسری جگہ ظاہر ہوتے ہیں۔ محنت آج کی جاتی ہے۔ اس کے اثرات بعض مرتبہ سالہا سال بعد نظر آتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کی بچپنی مختیں آج رنگ لارہی ہیں۔ ہماری مختیں انشاء اللہ آئندہ رنگ لا کیں گی۔ ہم اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے لیکن ہماری نسلوں کو اس محنت کا فائدہ پہنچے گا۔

اگر یہ مختیں نہ ہوتیں

اللہ رب العزت کا فضل و کرم ہے کہ یہ دین قیامت تک رہنے کیلئے آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا بنی آنے والا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دین کی اشاعت و تبلیغ اور اس کے تحفظ اور بقاء کے لئے جو کام کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے، ان تمام کاموں کی ذمہ داری آپ صحابہ کرام کے سپرد کر گئے تھے۔ اللہ رب العالمین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے تابع دار صحابہ کی جماعت عطا فرمائی کہ اس زمین و آسمان نے ان کے بعد ایسے انسان نہیں دیکھے۔ انہوں نے ان کاموں کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ مسلسل بڑھاتے چلے گئے اور جب صحابہ کرام کا قرن ختم ہو برہاتھا تو ان کی ذمہ داریاں تابعین سنجال پکے تھے، جب تابعین رخصت ہوئے تو ان کی ذمہ داریاں تابعین نے سنجالیں۔ اس طریقے سے یہ دین چلتا چلتا ہم تک پہنچا ہے۔ اگر یہ مختیں نہ ہوتیں تو آج ہم تک یہ دین نہ پہنچتا۔ اور نہ جانے ہم کہاں کہاں ہوتے؟ اور ہم کیسے ماں باپ کی اولاد ہوتے؟ یہ دین ہم تک قربانیوں، مختتوں اور مسلسل اللہ پر یقین کے ساتھ کوششوں سے پہنچا ہے۔

آج بھی مسلمانوں کے لئے کامیابی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ سوائے اس راستے

کے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ڈالا تھا اور صحابہ کرام نے تابعین کو اور تابعین نے تبع تابعین کو ڈالا تھا۔ اس امت کے مسلم امام، امام مالک کا ارشاد ہے:

﴿أَن يَصْلُحَ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهِ أُولُهَا﴾

اس امت کے آخری گروہ کی اصلاح نہیں ہو گی سوائے اس راستے کے جس راستے سے اس امت کے ابتدائی گروہ کی اصلاح ہوئی۔

تین کام: سیرت نبوت کا خلاصہ

آخرست صلی اللہ علیہ وسلم کی وحدتی زندگی کے کاموں کا اگر لب لباب نکالا جائے تو تین کام نظر آتے ہیں جو ترتیب وار شروع ہوئے۔

سب سے پہلا کام جو سب سے پہلے وحی کے ساتھ فاران کی چوٹیوں پر غار رہا میں شروع ہوا۔ وہ تعلیم و تعلم کا تھا جو سب سے پہلے پیغام جبریل امین اللہ رب العالمین کی طرف سے لے کر آئے، وہ ان الفاظ سے شروع ہو رہا تھا۔

﴿إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ إِقْرَأْ وَرَبِّكَ الْأَكْرَمَ ۝ الَّذِي عَلَمَ بِالْقَلْمَنْ ۝ عَلَمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝﴾ (العلق، ۱۔ ۵۔)

”پڑھئے اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے، بنایا آدمی کو جنم ہوئے لہو سے، پڑھئے اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم سے۔ سکھایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا۔“

آپ گھر تشریف لائے۔ یہ آیات حضرت خدیجۃ اللہ تعالیٰ ”کو سنائیں، پھر حضرت صدقیت اکبر گلو سنائیں پھر حضرت علیؑ کو سنائیں۔ یہ حضرات فوراً ایمان لے آئے لیکن ابھی اس پیغام کو عام کرنے کا حکم نہیں تھا۔ البتہ یہ آیات یکجھی اور سکھائی جا رہی تھیں ان کی تعلیم اور تعلم جاری تھا کافی عرصہ تک وحی کا سلسہ منقطع رہا آپ ﷺ کو بے تابی

سے جریئل علیہ السلام کا انتظار رہتا تھا۔ ایک دن جب غار سے واپس آتے ہوئے ”وادی جیاڈ“ سے اتر رہے تھے تو جریئل ایمن حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الْمُذَكَّرُۤ قُلْ فَانِدْرُۤ وَرَبُّكَ فَكَبِيرٌۤ﴾

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِرُۤ وَالرُّجَزَ فَاهْجُرُۤ﴾ (المدثر ۱۔ ۵)

”اے لحاف میں لپٹنے والے، کھڑا ہو پھر سنا دے اور اپنے رب کی بڑائی بول اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے دور رہ۔“

ان آیات میں آپ کو حکم دیا گیا کہ ”انذار“ کیجھ یعنی اللہ کے عذاب سے لوگوں کو ذرا یے۔ ایک جگہ قرآن مجید میں آپ سے کہا گیا کہ:

﴿فَاصْدُعْ بِمَا تُؤْمِنُ﴾

”آپ اس پیغام کا کھل کر اعلان کر دیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔“

چنانچہ آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر اللہ کا پیغام پہنچایا۔ یہ پہلا موقع تھا جب آپ نے دعوت عام دی ہے۔ قریش کے تمام خاندانوں کا نام لے لے کر اور انہیں پکار پکار کر دعوت دی۔ تعلیم کا کام پہلے دن سے چل رہا تھا۔ اب دعوت کا کام بھی شروع ہو گیا۔

”انذار“ کا مطلب

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دینے کا حکم دیا گیا تو اس کی پہلی وحی سورہ مدثر کے اندر ”انذار“ کا لفظ استعمال ہوا لفظ ”انذار“ کا مطلب سمجھ لجئے۔ ہماری اردو اتنی فضیح زبان نہیں کہ عربی کے ہر لفظ کی پوری پوری ترجمانی کر سکے۔ ”انذار“ کا لفظ بھی ایسا ہی ہے کہ اردو کا اکیلا کوئی لفظ اس کی پوری ترجمانی نہیں کر سکتا بلکہ کافی لفظوں کے مجموعہ کو ملا کر اس کے مطلب کو واضح کیا جاسکتا ہے۔ عام طور پر ”انذار“ کا ترجمہ ”ذرانے“ سے کر دیا جاتا ہے مگر درحقیقت یہ کافی

ترجمہ نہیں۔ ”انذار“ کے معنی ہیں ”کسی کو شفقت اور خیر خواہی کے ساتھ کسی نقصان سے بچانے کے لئے ڈرانا“ جیسے ماں اپنے بچے کو ڈراتے ہوئے کہتی ہے ”آگ کے پاس نہ جانا، ہاتھ جل جائیگا۔“ اگر بچہ چھٹ کے اوپر سے جھاٹک رہا ہو تو ماں کہتی ہے کہ ”بیٹا! زیادہ نہ جھکنا گر جاؤ گے“ ماں کا یہ ڈرانا انتہائی شفقت، محبت اور خیر خواہی پر منی ہوتا ہے۔ اس کا نام انذار ہے۔

انسان کو شیر بھی ڈراتا ہے۔ اس کا دشمن بھی اسے ڈراتا ہے۔ یہ ڈرانا ”انذار“ نہیں۔ اسی طرح آپ نے کسی کے اوپر لاٹھی اٹھائی اور کہا کہ یہ کام کرو ورنہ ماروں گا، یہ بھی انذار نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو انتہائی محبت اور خیر خواہی کے ساتھ اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے اور اس کا اظہار آپ نے اپنے قول و فعل سے کیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ داعی اور مبلغ کا کام خیر خواہی اور گہری شفقت کے ساتھ ڈرانا ہے اور گہری شفقت کے ساتھ وہی ڈرایا کرتا ہے جس کے دل میں خود اللہ کا ڈر اور خوف سمایا ہوا ہو۔

مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا خوف

مجھے اس وقت اپنے بچپن کا واقعہ یاد آ رہا ہے اور اس موقع کی وجہ سے بار بار یاد آ رہا ہے۔ میری عمر اس وقت تقریباً سات سال کی ہو گی کہ میں اپنے والد ماجد مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ساتھ پہلی مرتبہ دیوبند سے دہلی گیا۔ وہاں والد صاحبؒ نے ہمیں شاہی قلعہ اور دیگر تاریخی مقامات دکھائے۔ اس کے بعد نظام الدین تشریف لے گئے۔ مجھے تو بعد میں پتہ چلا کہ وہ کوئی جگہ تھی اور وہ کون لوگ تھے۔ جن کے پاس والد صاحب گئے تھے البتہ اتنا نقشہ شروع سے ذہن میں آگیا کہ وہاں کچھ لوگ تھے۔ ایک نوجوان جن کی خوبصورت داڑھی تھی، وہ بھی وہاں موجود تھے۔ (بعد میں پتہ چلا

کہ یہ مولانا الیاس صاحب[ؒ] کے صاحبزادے مولانا محمد یوسف صاحب[ؒ] تھے) ان سے باتیں ہوئیں۔ اتنا یاد ہے کہ وہاں کسی کی مزاج پر سی کے لئے گئے لیکن دروازے پر کھڑے لوگوں نے اندر جانے کی اجازت نہ دی۔ واپس آنے لگے تو وہی نوجوان آئے اور کہنے لگے کہ حضرت والد صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ اندر لے گئے۔ دیکھا کہ ایک بہت ہی منحنجی اور کمزور بزرگ سفید عالمہ باندھے ہوئے دائیں کروٹ لیٹھے ہوئے تھے۔ (بعد میں والد صاحب[ؒ] نے بتایا کہ یہ حضرت مولانا الیاس صاحب[ؒ] تھے) انہوں نے اصرار کر کے والد صاحب[ؒ] کو اپنی چار پائی پر بھال لیا اور پھر بلک بلک کرونے لگے۔ اتنے بلک بلک کروئے کہ میں حیران رہ گیا کہ یہ کیوں اتنا رورہ ہے ہیں۔ والد صاحب[ؒ] نے ان کو تسلی دی جس سے انہیں کچھ خندک سی پڑ گئی اور وہ خاموش ہو گئے۔

وہ باتیں کیا تھیں؟ اس وقت بچہ ہونے کی وجہ سے مجھے سمجھے میں نہیں آئیں لیکن والد صاحب[ؒ] بعد میں وہ واقعہ سنایا کرتے تھے۔ والد صاحب[ؒ] فرماتے تھے کہ جب مولانا محمد الیاس[ؒ] نے مجھے دیکھا تو اپنے طبیب کو بھول گئے اور بلک بلک کرونے لگے۔ مجھے سمجھے نہیں آ رہا تھا کہ کیوں رورہ ہے ہیں۔ کچھ دیر بعد جب ذرا سکون ہوا تو یوں گویا ہوئے۔ ”مفتشق! جب میں نے یہ کام شروع کیا تھا تو مجھے دور دور تک یہ موقع نہیں تھی کہ میری زندگی ہی میں یہ کام اتنا پھیل جائے گا، اب یہ کام اتنا پھیل گیا ہے کہ مجھے یہ ذرگ رہا ہے کہ کہیں یہ ”استدرج تو نہیں۔“ (استدرج کا مطلب ہے کہ کوئی شخص نافرمانی کے راستے پر چل رہا ہو اور اللہ تعالیٰ اسے ڈھیل دے دے اور وہ یہ سمجھے کہ میں تو بڑا چھا کام کر رہا ہوں اور اسی میں وہ مگن ہو جائے جیسا کہ فرعون و حامان وغیرہ کے ساتھ ہوا کہ نافرمانی کے باوجود انہیں بادشاہت اور وزارت ملی جس سے وہ اور گھمنڈ میں آ گئے اور کہنے لگے کہ اگر اللہ ناراض ہوتا یہ چیزیں کہاں ملتیں)۔

والد صاحب[ؒ] فرماتھے تھے کہ میں نے ان سے کہا کہ یہ ہرگز استدرج نہیں

ہے۔ اور میرے پاس اس کی دلیل ہے۔ وہ یہ کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ استدراج کرتا ہے، اس کو کبھی خیال بھی نہیں گزرتا کہ میرے ساتھ استدراج ہو رہا ہے۔ آپ پر خوف و خشیت کی یہ کیفیت بتلا رہی ہے کہ یہ ہرگز استدراج نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا انعام و کرم ہے۔

جس شخص کے دل میں دین کی یہ بھٹی سلگ رہی تھی، وہ اپنی ساری توانائیاں دعوت کے کام میں لگانے کے بعد بھی اسے خوف اور ذرگاہ واقعاً کہ کہیں مجھ سے کوئی ایسی نافرمانی تو نہیں ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے استدراج میں بیٹلا کر دیا۔ یہ خوف اسے ہی دامنگیر ہو سکتا ہے جس کا دل اللہ کے خوف، اس کی عظمت اور اپنی حقارت کے جذبات سے بھرا ہوا ہو۔ یہ انہی کے خوف و خشیت کا نتیجہ ہے کہ الحمد للہ، آج اس کے ثمرات ہمارے سامنے ہیں۔

مکی زندگی

مکہ مکرمہ کی تیرہ سالہ زندگی میں انذار اور دعوت کے نتیجے میں آپ پر مصائب کے جو پھاڑ توڑے گئے وہ پوری ایک داستان ہے۔ مجاہدوں، ریاضتوں اور قربانیوں کی بھٹی کے اندر سونے کو کندن بنایا جا رہا ہے، نفس کو کچلا جا رہا ہے۔ کوڑے پڑ رہے تھے۔ نجاشیم پھینکی جا رہی تھیں، گالیاں دی جا رہی تھیں لیکن حکم تھا کہ سختی کا جواب سختی سے نہ دو۔ چنانچہ گالیوں کا جواب دعاؤں سے ملتا تھا۔ تیرہ سال اس مجاہدے کی بھٹی سے گزارا گیا اور پھر حکم ہوا کہ بیت اللہ کے درود یوار اور اس کے پزوں کو جو تمہارا آبائی طلن بھی ہے،

چھوڑ کر مدینہ چلے جاؤ۔

مدنی زندگی اور جہاد

مدنی زندگی کے آغاز سے تیراعمل یعنی جہاد فی سبیل اللہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ مدینہ آنے کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد غزوہ بدرا کا واقعہ پیش آگیا۔ یقین و باطل کا پہلا

معرکہ اللہ تعالیٰ نے اس طریقے سے کرایا کہ آپ قاتل کے ارادے سے مدینے سے نہیں نکلے تھے لیکن کافروں کو مسلمانوں کی تعداد کم دکھائی گئی (جو واقعہ کے مطابق تھی) اور مسلمانوں کو کافروں کی تعداد بھی کم دکھائی گئی۔ معرکہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے تین سوتیرہ صحابہ پر مشتمل بے سرو سامان قافلے کو ایک ہزار کے صلح لشکر پر فتح عطا فرمائی۔ کفار کا لشکر جو فتح کے شادیاں نے بجا تا ہوا، تکبر کے گیت گاتا ہوا اور فتح کا یقین کرتا ہوا آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے سرگون کیا۔ ان کے ستر افراد قتل ہوئے اور اتنے ہی افراد گرفتار ہوئے۔ گویا اس معرکے کے ذریعے اسلام کی دھاک بھائی گئی۔

اس کے بعد بقیہ مدنی زندگی ساری ایسی گزری ہے کہ شاید ہی کوئی مہینہ ایسا خالی جاتا تھا کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانشار صحابہ کو کوئی نہ کوئی جہادی مہم پیش نہ آتی۔ غزوات درغزوات اور سرایا در سرایا کا سلسہ جاری تھا۔ یہاں تک کہ ۲۶ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا، جس کے اندر ایسی شرائط رکھی گئی تھیں کہ بظاہر یوں معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانوں نے دب کر صلح کی ہے۔ فاروق عظمؓ بے تاب ہو کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! جب ہم حق پر ہیں اور ہمارا دین بھی حق ہے تو یہ دبنتے والی شرائط ہم کیوں قبول کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔ وہ مجھے کبھی رسول نہیں کریگا۔ (مسلم، باب صلح الحدیبیہ فی الحدیبیہ، رقم الحدیث: ۱۷۸۳)۔

اور اس کے بعد آپ پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا﴾ (الفتح، ۱)

”ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کر دی“۔

اور بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ صلح مسلمانوں کے حق میں فتح مبین کا باعث بنی۔ کیونکہ اس صلح کے زمانے میں آپ کو قبائل عرب کی طرف تبلیغی قافلوں کو سمجھنے کا اور بادشاہان دنیا کے نام تبلیغی خطوط سمجھنے کا موقع مل گیا۔ آپ نے قیصر روم، کسری

فارس، شاہ مصر، شاہ جہشہ، شاہ بیکن اور متعدد بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط بھیجے۔ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ خطوط لے کر مختلف ملکوں کی طرف جا رہے تھے۔ کوئی مصر جا رہا تھا، کوئی شام جا رہا تھا، کوئی افریقہ کوئی جہشہ جا رہا تھا۔ ہر ملک کی زبانیں الگ الگ تھیں اور صحابہ کرام ان زبانوں سے واقف نہیں تھے۔ لیکن طبقات این سعد میں لکھا ہے کہ جس دن روائی ہونے والی تھی، اس دن جب صبح کو اٹھئے تو ہر صحابی اس ملک کی زبان جان پکا تھا، جس ملک کی طرف وہ جانے والا تھا۔

(طبقات ابن سعدون اجزہ ۳ ص ۲۵۸ و ص ۲۶۲)

پھر کچھ عرصہ بعد صلح حدیبیہ ثُوث گئی جس کے نتیجے میں مکہ فتح ہوا۔ اس کے بعد مشکل ترین غزوہ ”غزوة تبوك“ پیش آیا اور پھر جب اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو جیش اسامہ روانگی کے لئے تیار کھڑا تھا۔ اس وقت حضرت اسامہ کم عمر نوجوان تھے اور خاندانی اعتبار سے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کے بیٹے تھے، رنگ کے اعتبار سے کالے تھے، ہونٹ موٹی تھے اور صورت و شکل میں بظاہر کوئی حسن نظر نہیں آتا تھا لیکن آپ نے انہیں لشکر کا سپ سالار بنایا اور سپہ سالار بھی ایسا بنایا کہ ابو بکر صدیق ”اور عمر فاروق“ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی ان کے ماتحت تھے۔ اس عمل کے ذریعے امت کو یہ سکھانا تھا کہ جو بھی تمہارا امیر مقرر ہو جائے، اس کی طاعت واجب ہے خواہ عمر میں چھوٹا ہو، رنگ میں کالا ہو اور خاندانی اعتبار سے بھی کم ہو۔

الحمد للہ، دعوت و تکلیف کے کام میں یہی سکھایا جاتا ہے۔ تبلیغی قافلے جاتے ہیں۔ اس میں امیر مقرر کئے جاتے ہیں اور اس بات کی تربیت دی جاتی ہے کہ جس کو بھی امیر مقرر کر دیا جائے، اس کی اطاعت ضروری ہے۔

اسلام پوری دنیا کا سب سے بڑا مذہب بن گیا

غرضیکہ آپ کی سیرت طیبہ کا پہلا کام ”تعلیم و تربیت“ غار حرا اور دائرہ ارم سے

شروع ہوا۔ دوسرا عمل ”دعوت و تبلیغ“ یہ وحی کے نزول کے وقت سے شروع ہو گیا اور تیسرا عمل ”جہاد“ یہ بھرت مدینہ سے شروع ہوا۔ یہ تینوں کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر حیات تک کرتے رہے اور یہی کرتے کرتے اس دنیا سے رخصت ہوئے اور ان تینوں کاموں کا امین صحابہ کرام کو بنایا۔ صحابہ کرام نے ان تینوں کاموں کو اس حسن و خوبی کے ساتھ آگے بڑھایا کہ دنیا نے وہ تماشا دیکھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ پوری دنیا کے معلم بن گئے اور ان کے تبلیغی قافلوں کے لئے دشمنان اسلام اپنے قلعوں کے دروازے کھول رہے تھے اور جو دروازہ بند کیا گیا۔ انہیں یہ پیغام دیا گیا کہ اگر تم کلمہ اسلام پڑھ لیتے ہو تو ہمارے بھائی بن جاؤ گے لیکن اگر تم کلمہ اسلام نہیں پڑھتے تو ہم تمہیں مجبور نہیں کرتے اور تمہیں زبردستی مسلمان نہیں بناتے لیکن ہمارے لئے دعوت کے راستے کو بند نہ کرو جس کی صورت یہ ہے کہ ہم سے صلح کروتا کہ ہم اللہ کا پیغام اُنگلی قوموں اور دوسرے ملکوں تک پہنچا سکیں اور اگر تم اس کو بھی قبول نہیں کرتے ہو تو ہمارے اور تمہارے درمیان تواریخ فصلہ کرے گی۔

چنانچہ کہیں تواریخ سے فیصلے ہوئے اور کہیں مصالحت سے فیصلے ہوئے اور کہیں عوام الناس نے خود ہی اپنے باوشاہوں کے تخت و تاج الٹ کر چھیک کر مجاہدین اسلام کا استقبال کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کا سب سے بڑا دین اسلام بن گیا۔ اللہ کے اس دین کی حکمرانی پوری مہذب دنیا پر چھپا چکلی تھی۔

جب یہ کام نہ رہے

جب تک یہ تینوں کام اخلاق کے ساتھ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ساتھ اور صحابہ کرام کی نقابی کے ساتھ انجام دیے جاتے رہے تو مسلمان پوری دنیا کے معلم بھی تھے، میر کارروائی بھی تھے، حکمران بھی تھے اور پوری دنیا کے لئے داعی اسلام بھی تھے۔ جوں جوں ہمارے ان کاموں میں کمزوری پیدا ہوئی۔ ہم عظمتوں سے ذاتوں کی طرف لڑھکتے چلے گئے۔ ہم نے پیسے کمانے کے لئے دینی تعلیم سے منہ موڑا اور جب دین

کا علم نہ رہا تو دین کی تبلیغ کیسے کرتے، اس لئے کہ تبلیغ تو علم پر موقوف ہے۔ جب تک علم نہ ہوگا تو تبلیغ کس چیز کی کریں گے! اور جب علم بھی نہ رہا، تبلیغ بھی نہ رہی تو پھر جہاد کس کام کے لئے ہوگا کیونکہ علم اور تبلیغ سے خالی جہاد فساد فی الارض کا ذریعہ تو بن سکتا ہے، اشاعت دین کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

داعیان اسلام اور علماء کرام کی قربانیاں رنگ لارہتی ہیں

دنیا شاہد ہے کہ ان تینوں کاموں میں سے جب بھی کوئی کام ثبت انداز میں ہوا ہے، اس کے عالیشان اثرات اس امت نے دیکھے ہیں۔ یہ تبلیغ کا کام شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ برکت دی کعیہ کہا جاسکتا ہے کہ الحمد للہ، آج دنیا میں شاید کوئی بھی اسلامی تنظیم، کوئی بھی اسلامی ادارہ اور کوئی بھی جماعت اتنے بڑے پیمانے پر اللہ کا پیغام نہیں پہنچا رہی جتنے بڑے پیمانے پر اللہ تعالیٰ اس جماعت سے کام لے رہا ہے حالانکہ اس کا نہ کوئی فنڈ ہے، نہ کوئی صدر اور جزل سیکرٹری ہے۔ نہ ناظم اطلاعات ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا عہدہ ہے۔

آج ساری تنظیموں میں عبدوں کے جھگڑے ہیں جبکہ یہاں کوئی عبدہ ہی نہیں۔ اس سب اللہ اور اس کے رسول کے غلام اور صحابہ کرام کے نقال ہیں۔ کندھوں پر سامان انھا انھا کر لوگوں کی خوشامدیں کر رہے ہیں۔ اسی دعوت اسلام کا نتیجہ ہے کہ یہاں مسجدیں اور مدرسے نظر آرہے ہیں۔ اگر یہ تبلیغ کا کام نہ ہوتا تو بظاہر یہاں کوئی مسجد اور مدرسہ وجود میں نہ آتا۔ یہاں کے مساجد و مدارس تبلیغ کے رہیں منت ہیں۔ اب تو میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ انگلستان میں بڑے بڑے دارالعلوم بھی قائم ہو رہے ہیں۔ آپ کے اسی مرکز میں درس نظامی کی پوری تعلیم ہو رہی ہے۔ بری ہی میں اس سے بھی ایک بڑا مدرسہ کام کر رہا ہے۔ ان کے فاضلین سے ملاقاًتیں ہو میں تو معلوم ہوا کہ وہ البانیا میں بھی کام کر رہے ہیں اور انگلینڈ میں بھی بڑے اچھے انداز میں کام کر رہے ہیں۔ ابھی ایک

اور شہر میں جانا ہوا، وہاں بھی ایک بہت بڑا دارالعلوم قائم ہو چکا ہے۔ اس کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ دل سے دعائیں نہ لٹی ہیں کہ الحمد للہ، یہاں کے حفاظ و قراء، داعیانِ اسلام اور علماء کرام کی قربانیاں رنگ لارہی ہیں۔

شاید انگلستان اسلام کی نشأۃ ثانیة کا مرکز ہو

اور یہاں میں ایک بات یہ بھی دیکھتا ہوں کہ یہاں کی مسجدیں مجھے پاکستان کی مسجدوں سے بھی زیادہ آباد نظر آتی ہیں اور یہاں کے اجتماعات سے خطاب کرتا ہوں تو یہ بات دیکھتا ہوں کہ پاکستان کے اجتماعات میں اتنی واڑھیاں نظر نہیں آتیں۔ جتنی واڑھیاں یہاں نظر آتی ہیں۔ کبھی کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ محنتیں دنیا کو یہ نظارہ دکھانے والی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا اظہار شاید اس طرح کرے کہ اسلام کی نشأۃ ثانیة انگلستان سے ہو۔ وَمَا ذُلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۝ إِنَّهُ عَلَىٰ مُكْلِفٍ شَيْءٌ قَدِيرٌ ۝ جو اللہ مویٰ علیہ السلام کی پروش فرعون کے ہاتھوں کر سکتا ہے، وہ اسلام کی نشأۃ ثانیة کا مرکز انگلستان کو بھی بناسکتا ہے البتہ شرط یہ ہے کہ یہ تینوں کام اپنی اپنی شرائط اور اپنے اپنے موقع محل کے ساتھ امت انجام دیتی رہے۔

جہاد کے اثرات

الحمد للہ، جس طرح تعلیم و تبلیغ کے اثرات ظاہر ہوئے ہیں، اسی طرح اگرچہ جہاد کی محنت دیر سے شروع ہوئی لیکن افغانستان میں آپ نے دیکھا کہ جب تک وہ جہاد اللہ کے راستے میں اور شریعت کی حدود کے اندر ہوتا رہا، اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت لوگوں نے اپنی آنکھوں سے محسوس کی ہے۔ محسوس ہوتا تھا کہ فرشتے مدد لے کر آسمانوں سے اتر رہے ہیں۔

الحمد للہ، اس ناجیز کو بھی معز کہ ارغون کے اندر حصہ لینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مجاہدین اسلام ہم جیسے کم ہمت لوگوں کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ ہم نے اپنی

آنکھوں سے جو مناظر دیکھے ہیں، واقعہ پہ ہے کہ صحابہ کرام کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ عین گلوں کی بارش میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس سے زیادہ سہنا وقت زندگی میں کبھی نہیں آیا اور اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے ایسے ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں کہ بچھوؤں نے مجاهدین اسلام کی مدد کی ہے، پرندوں نے مجاهدین اسلام کی طرف سے جنگ کی ہے اور خود دشمن کے بھوں نے مجاهدین اسلام کی مدد کی ہے۔

مولانا جلال الدین حقانی صاحب کا یہ واقعہ میں نے خود ان کی زبانی سناتھا کہ دشمن نے ان کا محاصرہ کیا، بمبار طیاروں نے بم گراۓ۔ یہ اپنے ساتھیوں کو لو کر سرگ میں چھپ گئے، ایک اور بم گرا جس سے ایک پہاڑ کا ٹیلا سرگ کے منه پر آگرا جس سے سرگ بند ہو گئی۔ یہ کہتے تھے کہ اب ہمارے بچے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ہم سب کے سب لا الہ الا اللہ پڑھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد مزید بمباری ہوئی تو ایک بم سرگ کے اوپر گرا جس سے سرگ کے منه پر پڑا ہوا تیلہ بہٹ گیا۔ اس طرح کے اور بھی کئی واقعات ہیں جن میں سے کچھ واقعات میں نے اپنی کتاب میں نقل کر دیئے ہیں۔ لیکن جب یہ جہاد ختم ہو گیا اور اقتدار کی جنگ شروع ہوئی تو وہ بدترین نمونہ بھی سامنے آیا جو افغانستان میں بعد میں رونما ہوا۔

تینوں دین کے راستے ہیں

یاد رکھئے! تعلیم، تبلیغ اور جہاد یہ تینوں دین کے راستے ہیں لیکن ہر ایک کے لئے کچھ شرائط اور تفصیلات ہیں، جن کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رکھئے کہ خدا کیلئے یہاں انگلستان میں کوئی جہاد نہ شروع کر دینا۔ یہاں وہ زندگی گزارنی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؐ کی زندگی تھی۔ البتہ یہ اللہ کا فضل و کرم نہ ہے کہ یہاں وہ مشقتیں نہیں ہیں جو کلی زندگی میں تھیں۔ اگر کوئی یہاں جہاد اس کتاب کا نام ہے ”یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے“ ادارہ المعارف کراچی سے شائع ہو چکی ہے۔

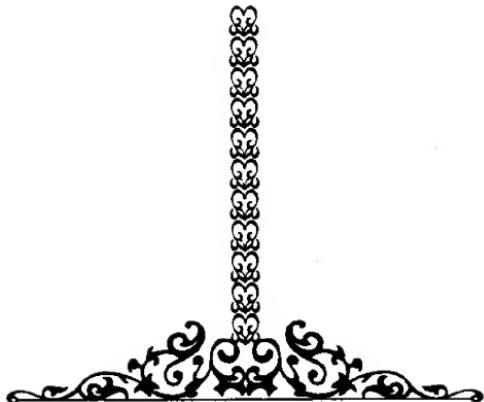
شروع کرے گا تو یہاں دین کا کام نہیں ہو سکے گا۔

ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو ان تینوں کاموں میں لگنے کی توفیق عطا فرمائے تو بہت بڑی سعادت کی بات ہے، لیکن اگر کوئی تینوں کام نہیں کر رہا تو جس کام کو بھی کرے اسے نعمت کبریٰ سمجھنا چاہئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ تینوں کام شریعت کی حدود میں، سنت کے مطابق، صحابہ کرام کے طریقے پر اور اخلاق کے ساتھ کئے جائیں تو یہ تینوں کام ہمارے کام ہیں۔ اگر کوئی مدرسہ چلا رہا ہے تو وہ بھی ہمارا کام کر رہا ہے۔ کوئی دعوت و تبلیغ میں پھر رہا ہے تو وہ بھی ہمارا کام کر رہا ہے اور اگر کوئی کسی شرعی جہاد میں اپنی جان کی بازی لگا رہا ہے تو وہ بھی ہمارا کام کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے ان کاموں میں شریعت کے مطابق لگنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين ۵



کیا اسلام توارکے زور سے پھینلا یا گیا؟

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

طبع و ترتیب: مولانا نجاح احمد صہداني

مقام: دارالدینیث، جامعہ دارالعلوم کراچی

﴿ کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے؟ ﴾

زیر نظر تحریر کوئی مستقل مضمون یا تقریر نہیں بلکہ مسلم شریف کی ایک حدیث کا درس ہے۔ حضرت مولانا نے اس حدیث سے تعلق رکھنے والے کئی مسائل کئی روز تک بیان فرمائے۔ اس تفصیلی درس کے ضمن میں حضرت مولانا نے ایک روز زیر نظر موضوع پر بھی روشنی ڈالی، افادہ عام کے پیش نظر اس کا خلاصہ ہدیۃ قارئین ہے۔ اعجاز احمد غفراللہ

حدیث:

﴿ عَنْ أَبِي عُمَرِ رضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَمْرُتُ أَفَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَيَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ ﴾

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم الحدیث ۱۳۸)

”ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کے لوگوں سے اس وقت تک قاتل کروں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبد نہیں اور نماز قائم کیا کریں اور زکوٰۃ دیا کریں۔“

یہاں اسلام اور اہل اسلام پر ایک بہت بڑا اعتراض ہوتا ہے اور یہ اعتراض مستشرقین گزشتہ دو سال سے مسلمانوں پر کر رہے ہیں۔

مستشرقین کون ہیں؟

مستشرقین وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو تحقیق اور رسیرچ کے نام پر گمراہ کرتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ علوم مشرقی کے اندر مہارت پیدا کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی نے مثلاً ہندو مذہب کے اندر مہارت پیدا کر رکھی ہے۔ کسی نے بدھ مت کے بارے میں اور کسی نے اسلام کے بارے میں مہارت پیدا کر رکھی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان کے ہاں ان موضوعات پر تحقیقی کام ہوتا ہے۔ لیکن ان تحقیقات سے ان کا مقصد حق معلوم کرنا نہیں ہوتا، بلکہ اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا، اعتراضات نکالنا اور ان اعتراضات کو اپنے ذرائع ابلاغ کے ذریعے پوری دنیا میں پھیلانا ان کا مقصد ہوتا ہے۔ گزشتہ دو سال سے وہ لوگ یہ کام کر رہے ہیں۔

مستشرقین کا اعتراض:

چنانچہ ان لوگوں نے اسلام پر جہاں اور بہت سے اعتراضات کیے ہیں، ان میں ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ اسلام میں جہاد اس لیے مشرع ہوا ہے تاکہ لوگوں کو زبردستی اسلام میں داخل کیا جائے، چنانچہ دنیا میں اسلام اپنی حقانیت اور دلائل کے ذریعہ سے نہیں پھیلا۔ اسی طرح مسلمانوں کے اعلیٰ کردار اور اسلام کی اعلیٰ فطری تعلیمات کی کشش سے بھی نہیں پھیلا بلکہ اسلام کو توارکے ذریعے زبردستی پھیلایا گیا ہے۔ اس لیے اسلام سراسر تشدد پر مبنی ظالمانہ مذہب ہے جو لوگوں کو مذہبی آزادی سے روکتا ہے اور زبردستی انہیں اپنا پیر و کار بناتا ہے۔

اگرچہ یہ پروپیگنڈہ گزشتہ دو سال سے چل رہا ہے لیکن آج کل یہ اپنے

عروج پر ہے۔ مغربی میڈیا زہر اگل رہا ہے اور ان کے بعض مفکرین تو یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ قرآن انسانیت و شنی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے اندر غیر مسلموں کے بارے میں جگہ جگہ یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ ”أَقْتُلُوهُمْ“، ”فَاقْتُلُوهُمْ“ وغیرہ، یہ قرآن ہی ہے جو مسلمانوں کو قتل و قاتل پر ابھارتا ہے۔ لہذا اس کے اندر غیر مسلم اقوام کے لیے امن و امان نہیں ہے۔ اس سے شاید وہ دنیا کو یہ باوز کرانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے ”خطرے“ کو اس وقت تک نہیں منایا جا سکتا جب تک کہ قرآن کی تعلیم کو نہیں منایا جائے گا۔

ان کے اعتراضات کی ظاہری دلیلیں:

ان کے اس پروپیگنڈے کی ایک دلیل بظاہر یہ حدیث بھی ہے کہ:

﴿أُمِرْتُ أَنْ أَفَاتِلَ النَّاسَ حَتَّىٰ يَشْهُدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

وَيَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ﴾ (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

اس حدیث کو اگر قرآن کریم کی آیات اور قرآن و سنت کے دوسرے احکام و قواعد سے نظر پہنچ کر کوئی دنیا کو دھوکہ دینا چاہے تو یہ باور کرنے کی کوشش کر سکتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں سے تین کام زبردستی کرائے جائیں گے۔

(۱) کلمہ طیبہ کا اقرار۔

(۲) نماز کی پابندی۔

(۳) زکوٰۃ کی ادائیگی۔

جب تک دنیا کے لوگ یہ تین کام نہیں کریں گے، اس وقت تک ان سے جنگ چاری رہے گی۔

اسی طرح وہ یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں:

﴿فَإِذَا أَنْسَلْخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُو فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ

حَيْثُ وَجَدُوكُمْ فَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا

لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ، فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا
الزَّكُوَةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ﴿٥﴾ (التوبہ، ۵)

”اور جب گزر جائیں مہینے پناہ کے تو مار و مشرکین کو جہاں پاؤ اور
پکڑو اور گھیرو اور بیٹھو ہر جگہ ان کی تاک میں پھر اگروہ توبہ کریں اور
قاوم رکھیں نماز اور دیا کریں زکوٰۃ تو خچوڑ دوان کا راستہ۔“

اس آیت کا حوالہ دے کر کوئی سیاق و سبق، اور دوسری آیات سے آنکھیں بند
کر کے کہہ سکتا ہے کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ کفار جہاں کہیں بھی ملیں، انہیں قتل کیا جائے گا
ہاں اگروہ ایمان لے آئیں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ اس کا
مطلوب یہ ہوا کہ جب تک تمام کفار کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام میں داخل نہیں ہو جائیں گے،
اس وقت تک ان کی جان بخشنی نہیں ہے۔

یہ اعتراض کم فہمی یاد ہو کہ وہی پرمی ہے:

اس اعتراض کا جواب سمجھ لیجیے۔ یاد رکھئے کہ یہ حدیث ہو یا ابھی تلاوت کردہ
آیت، جب بھی انہیں سیاق و سبق سے جدا کر کے پڑھا اور سمجھا جائے گا تو غلط منائج
نکلیں گے۔

قرآن مجید کی جس آیت پر انہوں نے اعتراض کیا یعنی فاذا النَّسْلَخَ الْأَشْهُرُ
الحرم اُنچھی اس کے بعد اگلی آیت یہ ہے:

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ إِسْتَجَارَ كَفَاجِرُهُ، حَتَّىٰ
يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلَغَهُ مَأْمَنَهُ ﴾ (التوبہ، ۵)

”اور اگر کوئی مشرک تجوہ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دے
یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر پہنچا دے اس کو اس کی امن
کیجگہ۔“

اس اگلی آسمتیں یہ بتلایا گیا کہ ارکوئی مشرک آپ کے پاس آ کر آپ سے پناہ مانگ لے تو اسے پناہ دے دو۔ یہاں آنے سے اس کو یہ فائدہ ہو گا کہ وہ اللہ کا کلام سنے گا۔ اس کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ **ثُحَّ أَنْلِغُهُ مَأْمَنَةً**، (پھر اس کو اس کی جائے پناہ تک پہنچاؤ) گویا یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ امن و امان کے ساتھ اس کے وطن واپس پہنچایا جائے۔

دیکھئے کہ یہاں یہ معاملہ اُس شخص کے ساتھ کیا جا رہا ہے جو مسلمان نہیں ہوا تو اس سے معلوم ہوا کہ قتال سے بچنے کا ایک راستہ یہ بھی ہے کہ کافر اجازت طلب کر کے مسلمانوں کے ملک میں آجائے۔ ایسے کافر کو اصطلاح میں ”متَّأْمَنٌ“ کہتے ہیں جیسے آجکل دوسرے ممالک کے کافروں نے اسے ملک میں آ جاتے ہیں تو ایسے کافروں کے بارے یہ حکم ہے کہ ان کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے اور ان سے جنگ ہرگز نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح سورہ توبہ کی مذکورہ بالا آیت سے کچھ پہلے سورہ انفال کے اواخر میں یہ ہے کہ:

﴿وَإِنْ جَنَحُوا إِلَى الْمُسْلِمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾

(الانفال: ۶۱)

”اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تو بھی جھک اسی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر۔“

اس آیت میں مسلمانوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی صلح کر لیں معلوم ہوا کہ کفار اگر اپنے کفر پر رہتے ہوئے مسلمانوں سے صلح کے طلبگار ہوں تو مسلمان ان سے صلح کر سکتے ہیں اور ایسی صورت میں بھی ان سے جنگ نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح اسی سورہ توبہ میں ایک آیت یہ بھی ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا
يُحَرِّمُونَ مَا حَرَمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ
مِنَ الَّذِينَ أُتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعَطُوا الْجِزَيْةَ عَنْ
يَدِهِمْ صَغِرُونَ﴾ (التوبہ: ۲۹)

”لڑوان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ آخرت کے
دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اس کو جس کو حرام کیا اللہ نے اور اس
کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچا دین، ان لوگوں میں سے
جو اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل
ہو کر۔“

”یہ“ کے یہاں معنی ہیں ”طااقت“ اور عن ”سبب“ کے معنی میں ہے، تو معنی
یہ ہیں کہ وہ اداۓ جزیہ کو قبول کر لیں اسلام کی طاقت کی وجہ سے اور وہ ~~فَهُمْ~~
صَاغِرُونَ کا مطلب امام شافعیؓ نے یہ بیان فرمایا ہے جسے تفسیر معارف القرآن میں
بھی نقل کیا گیا کہ ”وہ مسلمانوں کے عام قانون کی پابندی کر لیں۔ (نہ کہ کسی شخصی
قانون کی جسے ”پرنس لاء“ کہا جاتا ہے، کیونکہ اسلامی ملک میں غیر مسلموں پر اسلام
کے پرنس لاء کی پابندی نہیں ہوتی، پرنس لاء میں وہ اپنے نہیں قانون پر عمل کرنے میں
آزاد ہوتے ہیں)۔ حاصل یہ ہوا کہ اگر کفار مسلمانوں کے ملک میں رہیں اور مسلمان
ملک کے عام قوانین کی پابندی کرتے ہوئے جزیہ ادا کریں تو بھی ان سے قتال نہیں کیا
جائے گا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں سے جنگ کو روکنے والی کل چار

چیزیں ہیں:

(۱) صلح (۲) استیمان (اجازت لے کر مسلمانوں کے ملک میں آنا)

(۳) جزیہ (ایک قسم کا لیکس جو مسلم ملک کے غیر مسلموں سے زکوٰۃ کے بجائے لیا جاتا ہے، یعنی مسلمانوں سے سرکاری طور پر زکوٰۃ لی جاتی ہے اور غیر مسلموں سے جزیہ)۔

(۴) کلمہ طیبہ (لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ)

ان آیات سے یہ بات خود بخود واضح ہو گئی کہ قیال کا مقصد لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں ہے، اگر لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا مقصود ہوتا تو پھر تو نہ کفار سے صلح کی اجازت، نہ استیمان کی اجازت ہوتی اور نہ جزیہ قبول کیا جاتا۔

جہاد کی اقسام:

لیکن وہ کفار جن سے نہ تو ہماری صلح ہے، نہ وہ امان لے کر ہمارے ملک میں آئے ہیں اور نہ وہ ہمارے ملک میں رہتے ہیں تو ہم سے جنگ کرنے میں وہ بھی آزاد ہیں اور ان سے جنگ کرنے میں ہم بھی آزاد ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ جو ہم سے کسی قسم کی صلح اور معاهدہ نہیں کر رہے، ان کے بارے میں اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ ان پر نظر رکھو، اگر محسوس ہو کہ یہ تمہارے لیے خطرہ بن رہے ہیں تو قبل اس کے وہ تمہارے لیے خطرہ بن جائیں تم خود ان پر حملہ کر کے ان پر غلبہ حاصل کرلو، تاکہ یا تو وہ تم سے ترک جنگ کا معاهدہ کر لیں یا جزیہ دے کر تمہارے ملک میں پُران شہری بن کر رہنے لگیں، اس کا نام ”اقدامی جہاد“ ہے۔ اور جس وقت دشمن حملہ آور ہو جائے تو اس وقت جواب میں جو جہاد کیا جائے گا، اس کا نام ”دفائی جہاد“ ہے۔ اسلام میں اقدامی جہاد کی بھی اجازت ہے اور دفائی جہاد کی بھی۔

”اقدامی جہاد“ کی مثال غزوہ تبوک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ عیسائیوں کے لشکر جمع ہو رہے ہیں اور ان کا منصوبہ مدینہ پر حملہ کرنے کا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیر عام کر دی اور ایک بہت بڑا لشکر لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ دشمن کو جب پتہ چلا تو وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

یہ مختصر اصولی تشریح ہے اسلامی جہاد کی۔ اس میں کون سی بات نا انصافی ن ہے اور کون سی بات ظلم و تشدد کی؟ کوئی بھی منصف انسان اس نظام کا مطالعہ کرے گا تو یہ بات کھل کر سامنے آئے گی کہ اس میں کوئی بھی بات ایسی نہیں جو انصاف کے خلاف ہو یا ظلم کی تائید کرنے والی ہو۔ یا زبردستی مسلمان بنانے والی ہو۔

لہذا معلوم ہوا کہ جب جو اسلام کا مقصد لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں بلکہ اس کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کرنا اور اسلام کو خطرات سے بچانا ہے۔ لہذا یہ اعتراض کرنا بہرگز درست نہیں کہ اسلام کو توارکے ذریعے پھیلا�ا گیا ہے۔

اس موضوع پر ہمارے بزرگوں کی تصانیف

جب مستشرقین کی طرف سے اہل اسلام پر یہ اعتراض کیا گیا تو ہمارے بزرگوں کی طرف سے اس پر مفصل کلام کیا گیا۔ ”سیرة خاتم الانبیاء“ میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی جامیعت اور اختصار کے ساتھ چند صفات کے اندر کافی شافی کلام فرمایا ہے۔

اسی طرح شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کے بڑے بھائی حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب نے جودا الرّحمن دیوبند کے صدر مفتی تھے، ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے ”دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا؟“ ہندوستان میں اسی نام سے چھپی تھی البتہ پاکستان میں ”اشاعت اسلام“ کے نام سے چھپی ہے۔ یہ بڑی مفصل کتاب ہے اور اس میں انہوں نے واقعات اور تاریخ اسلام کے حوالے سے بتایا ہے کہ اسلام طاقت کے زور سے نہیں بلکہ مسلمانوں کے اعلیٰ کردار اور اپنی حقانیت کی وجہ سے پھیلا ہے۔

تمیری کتاب شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ یہ کتاب الحمد للہ ادارۃ المعارف کراچی سے چھپ گئی ہے۔ اس کتاب کا نام ہے ”اسلام سے دنیا کو کس کس طرح روکا گیا؟“ یعنی کافر طاقتوں نے لوگوں کو زبردستی

اسلام سے روکنے کی کیا کوششیں کی ہیں۔ یہ کتاب درحقیقت مستشرقین کے سوال کا الزامی جواب ہے کہ تم تو کہتے ہو کہ اسلام زبردستی پھیلایا گیا، حالانکہ معاملہ برکس ہے کہ اسلام سے لوگوں کو زبردستی روکا گیا اور اس کے لیے ان پر کتنے اور کیسے کیسے مظالم ڈھائے گے ہیں۔

الحمد لله ان بزرگوں نے اس موضوع پر بڑا کافی اور شافی کلام فرمایا ہے، اسے مطالعے میں رکھنا چاہیے۔

وآخر دعوا ان الحمد لله رب العالمين

شَرِيعَتْ وَطَرِيقَتْ كَا تَلَازِمْ

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: بالائی مور، امریکہ
تاریخ: ۵ دسمبر ۲۰۰۳ء
ترتیب و عنوان: ایکا ز احمد صمدانی

﴿شريعت و طریقت کا تلازم﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد لله نحمدہ و نستعينہ، و نستغفرة و نومن
بہ و نتوکل علیہ و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من
سیاٹ اعمالنا . من يهدہ اللہ فلا مضل لہ و من
يضلہ فلا هادی لہ و نشهد ان لا إله إلا اللہ وحدہ
لا شریک لہ و نشهد ان سیدنا و سندنا و مولانا
محمدًا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ
آلہ و صحبه اجمعین . وسلم تسليماً كثیراً
كثیراً﴾

اما بعد:

فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم.

بسم الله الرحمن الرحيم

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾

سب سے پہلا سوالیہ نشان:

بزرگانِ محترم برادر ان عزیز اور میری محترم ماوں، بہنو اور بیٹیو!

میرے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالجی عارفی صاحب نے مجھے نصیحت فرمائی تھی کہ ”بھی اور فرمائی تقریریں نہ کرنا۔“ فرمائی تقریر کا مطلب یہ ہے کہ خطیب کے لیے موضوع مقرر کر دیا جائے کہ آپ کو اس موضوع پر تقریر کرنی ہے اور رسمی تقریر کا مطلب یہ ہے کہ اس میں مقصود تقریر کرنانہ ہو بلکہ اس میں کچھ لطیفے، کچھ قصے، کچھ اشعار نادیے اور کچھ آیات و احادیث کی تلاوت بھی کر دی۔ مقصود یہ ہے کہ سننے والوں کا کچھ وقت تفریغ میں گزر جائے۔ ان دونوں قسموں کی تقریروں میں اس بات کا خیال نہیں رکھا جاتا کہ حاضرین کی ضرورت کیا ہے۔“

چنانچہ میرے مرشد نے مجھے رسمی اور فرمائی تقریروں سے منع کیا اور فرمایا کہ جہاں جاؤ، وہاں دیکھو کہ زخم کہاں ہے؟ جہاں زخم ہو، وہیں مرہم لگاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ زخم تو کہیں اور ہوا اور تم مرہم کہیں اور لگاؤ۔ مخاطبین تو کسی اور بات کے محتاج ہیں اور تم دوسرا باتیں کرتے رہوا، اس طرح کرنے سے تمہاری محنت بھی اکارت جائے گی اور سننے والوں کا وقت بھی ضائع ہو گا۔

حضرت ”کی اس نصیحت کا اثر یہ ہے کہ جب کسی جگہ جانا ہوتا ہے تو سب سے پہلا سوالیہ نشان میرے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ جہاں جا رہا ہوں، وہاں کی ضرورت کیا ہے۔ آج ہمارے ایک بھائی نے میرے لیے یہ مشکل آسان کر دی۔ انہوں نے طریقت کے حوالے سے سوال کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ یہاں کے لوگ طریقت کے حوالے سے کچھ جانتا چاہتے ہیں۔ چنانچہ میرا خیال یہ ہے کہ اس موضوع پر قدرتے تفصیل سے بات کرنی چاہیے۔

تقویٰ دل میں ہوتا ہے:

میں نے خطبہ کے اندر آپ کے سامنے یہ آیت تلاوت کی ہے:

﴿بِيَأْيَهَا الَّذِينَ أَمْتُوا تَقُولُوا اللَّهُ وَكُوُنُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾

اس کا ترجمہ یہ ہے:

”اے ایمان والو! اللہ سے اور رہوچوں کے ساتھ۔“

اس آیت میں ایمان والوں کو دو حکم دیے گئے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم۔

(۲) پھوں کے ساتھ رہنے کا حکم۔

ان میں سے پہلے حکم (یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے حکم کا تعلق ظاہر سے نہیں بلکہ باطن سے ہے اس لیے اللہ کا ڈر دل میں پیدا ہوتا ہے چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

﴿الْتَّقُوْيِ هُهُنَا﴾

”اللہ کا ڈر یہاں ہوتا ہے۔“

گناہوں سے کیسے بچیں؟

ابتدہ جب دل میں اللہ کا ڈر پیدا ہو جائے تو ظاہر پر اس کا یہ اثر پڑے گا کہ ہمارے سارے ظاہری اعمال درست ہو جائیں گے۔ فرائض و احتجات پر عمل کرنا بھی آسان ہو جائے گا اور حرام و مکروہات کو چھوڑنا بھی آسان ہو جائے گا۔ بس بنیادی چیز ”اللہ کا ڈر“ ہے۔ ہم جتنے بھی گناہ کرتے ہیں، وہ اس لیے کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں سے اللہ کا ڈر نکل گیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حاصل یہ ہے کہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچاؤ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج کے اس دور میں جہاں ہر طرف گناہ ہی گناہ کی دعوت ہے، ان حالات میں اپنے آپ کو گناہوں سے کیسے بچایا جائے۔ ہاتھوں کو گناہوں سے کیسے بچائیں، پاؤں کو گناہوں سے کیسے بچائیں، زبان کو کیسے بچائیں، آنکھ، کان اور دیگر

اعضاء کو گناہوں سے کیسے بچائیں۔ ہر طرف فتن و نور ہے، جو نبی باہر نکلو، گناہوں کی دعوت دینے والے سارے مناظر ہیں۔ بھی آنکھ بستی ہے کبھی کان۔ بھی زبان سے گناہ ہو جاتا ہے کبھی ہاتھ سے۔ کاروبار کی طرف جاتے ہیں تو دغا بازی اور دھوکہ دہی کا گناہ اپنی طرف بلاتا ہے، ملازمت اختیار کرتے ہیں تو کام چوری کا گناہ اپنی طرف دعوت دینا ہے، بازاروں میں جاتے ہیں تو بے پر دگی اپنی طرف مائل کرتی ہے۔ غرض ہر طرف گناہ ہی گناہ کی دعوت ہے۔ ان حالات میں گناہوں سے بچنا بہت مشکل کام ہے۔

قرآن مجید کا ایک خاص اسلوب یہ ہے کہ یہ جب کسی کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے تو اس پر عمل کرنے کا طریقہ بھی بتلاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر خاص شفقت اور عنایت ہے کہ وہ صرف حکم ہی نہیں دیتے بلکہ یہ بھی بتلاتے ہیں کہ اے میرے بندو! میرے اس حکم کو اس طرح پورا کرو گے تو آسانی سے پورا ہو جائے گا۔ لہذا اگر وہ طریقہ اختیار کر لیا جائے جو اللہ رب العالمین بتاتے ہیں تو دیکھنے میں وہ حکم خواہ کتنا ہی مشکل نظر آ رہا ہو، اس پر عمل کرنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے۔

چنانچہ یہاں پر جب اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے یعنی گناہوں سے بچنے کا حکم دیا جو ظاہر ایک مشکل حکم لگ رہا تھا تو اس کے ساتھ اس پر عمل کرنے کا ایک انتہائی سہل طریقہ بتلا دیا، وہ یہ کہ:

﴿كُونُوْاْمَعَ الصَّادِقِينَ﴾

”پچ لوگوں کے ساتھ رہو۔“

”پچ لوگوں“ سے مراد وہ لوگ ہیں جو زبان کے بھی پچ ہیں اور دل کے بھی، ان کا ظاہر بھی سچا ہے اور باطن بھی۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔ گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ تقویٰ والوں کے ساتھ رہنا شروع کر دو، نیک ہو جاؤ گے۔ یہ ایسا حکیمانہ اور نفسیاتی طریقہ ہے کہ انسانی تربیت کے لیے اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں۔

اب دیکھئے! ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ یہ نمازی لوگوں کا اجتماع ہے۔ مسجد سے تعلق رکھنے والوں کا اجتماع ہے۔ یہاں بیٹھ کر اگر کوئی شخص شراب پینا چاہے تو اس کے لیے ایسا کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کے برعکس آپ غیر مسلموں کے کسی رسیورنٹ میں چلے جائیں یا کسی نائنٹ کلب میں چلے جائیں وہاں یہ گناہ کرنا انتہائی آسان ہے۔ وہاں نماز پڑھنا چاہو تو یہ مشکل ہو گا۔ تو حاصل یہ نکلا کہ اگر ایچھے لوگوں کے ساتھ رہو گے تو نیکی کرنا آسان ہو جائے گا، گناہ کرنا مشکل ہو جائے گا اور اگر بزرے لوگوں کے ساتھ رہو گے تو گناہ کرنا آسان ہو جائے گا اور نیکی کرنا مشکل ہو جائے گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ بتالایا کہ اگر تم اللہ والے بننا چاہتے ہو، متقی بننا چاہتے ہو، گناہوں سے پچنا چاہتے ہو تو نیک لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کر دو۔ میں آج اسی کے بارے میں مزید تفصیل عرض کرنا چاہتا ہوں۔

شریعت اور طریقت کا مفہوم

میں نے دو پہر عرض کیا تھا کہ کچھ اعمال ظاہرہ ہیں جنہیں ہمارے ظاہری اعضاء انجام دیتے ہیں اور وہ ہر ایک کو نظر آتے ہیں لیکن کچھ اعمال ایسے ہوتے ہیں جن کو ہمارا دل انجام دیتا ہے، انہیں اعمال باطنہ کہا جاتا ہے جسے توضع، ایثار، اللہ کی محبت، آخرت کا خوف وغیرہ وغیرہ۔ ظاہری اعمال کو عام طور پر ”شریعت“ کہا جاتا ہے اور باطنی اعمال کو عام طور پر ”طریقت“ کہا جاتا ہے۔

ظاہری اعمال کا مدار باطن پر ہوتا ہے:

یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ ظاہری اعمال سارے کے سارے منی ہوتے ہیں باطنی اعمال پر، اگر دل کے اعمال صحیح ہوں گے تو ظاہری اعمال بھی ٹھیک ہو جائیں گے لیکن اگر باطن خراب ہے تو ظاہری اعمال بھی درست نہیں ہوں گے مثلاً اگر کسی انسان کے اندر تکبر ہے تو وہ سرے انسانوں کے ساتھ اچھا برنا و نہیں کرے گا، سخت

کلامی کرے گا، لوگوں کو گالیاں بھی دے گا اور بد تمیزی بھی کرے گا۔ یہوی بچوں کے ساتھ بھی ختنی سے پیش آئے گا۔ اس کے بعد اس کے اندر رواضع اور انکساری ہو گی تو نرم انداز میں نفکو کرے گا، ہر ایک کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آئے گا۔ اگر باطن میں بخل کا مادہ ہے تو اس کے لیے جیب سے ایک ایک پیسہ نکالنا مشکل ہو جائے گا اور اگر اندر میں سخاوت کا مادہ ہو گا تو اللہ کی راہ میں خوب مال خرچ کرے گا۔

شریعت تھیوری ہے اور طریقت پر یکیشیکل:

شریعت کے اعمال کتابوں میں پڑھائے جاتے ہیں، اور پڑھانے والے کا نام ”استاذ“ ہوتا ہے اور پڑھنے والے کا نام ”طالب علم“ ہوتا ہے جبکہ طریقت والے اعمال سکھائے جاتے ہیں۔ سکھانے والے کو ”پیر“ اور سکھنے والے کو ”مرید“ کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں چیزوں سکھاتے تھے یعنی شریعت بھی سکھاتے تھے اور طریقت بھی سکھاتے تھے۔ چنانچہ بہت سے علماء بھی ایسے ہوتے ہیں جو شریعت کے بھی ماہر ہوتے ہیں اور طریقت کے بھی ماہر ہوتے ہیں۔ البتہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صرف طریقت کے ماہر ہوتے ہیں، اگرچہ وہ شریعت پر عمل تو کرتے ہیں لیکن اس کے اتنے ماہر نہیں ہوتے کہ اسے آگے پڑھا سکیں۔ اسی طرح بہت سے لوگ شریعت کے ماہر ہوتے ہیں، وہ طریقت پر عمل تو کرتے ہیں لیکن اس میں اتنے ماہر نہیں ہوتے کہ اسے آگے دوسروں کو سکھا سکیں۔

ایک بات اور سمجھئے! وہ یہ کہ شریعت کے مسائل آپ کتابوں میں پڑھ سکتے ہیں اور علماء سے پوچھ سکتے ہیں مثلاً نماز کا مسئلہ آپ نے کتاب میں پڑھ لیا۔ اگر سمجھنا آیا تو کسی عالم کے پاس جا کر پوچھ سکتے ہیں۔ لیکن طریقت کا معاملہ ایسا نہیں۔ طریقت کے مسائل اور اس کے اعمال کو کتابوں سے نہیں سمجھا جا سکتا اور نہ ہی ان اعمال کو کتابوں سے سیکھا جا سکتا ہے بلکہ اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ کسی ماہر طریقت کی خدمت میں رہ کر عملی مشق کی جائے۔

گویا یوں کہا جا سکتا ہے کہ شریعت تھیوری (Theory) ہے اور طریقت پر کنٹیکل (Practical) کالجوں میں آپ نے دیکھا ہو گا کہ کلاس روم میں تھیوری پڑھائی جاتی ہے لیکن تجربہ کے لیے لیبارٹری (Laboratory) میں لے جایا جاتا ہے۔ اسی طرح شریعت اور طریقت کا معاملہ ہے۔ شریعت کو آپ استاد سے پڑھ کر حاصل کر سکتے ہیں لیکن طریقت کے لیے شیخ کے پاس کچھ عرصہ گزارنا پڑے گا۔

ایک نظری:

اس کی ایک اور نظری سمجھئے۔ مختلف کتابوں اور رسالوں میں مختلف کھانے بنانے کے طریقے لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ مثلاً ان میں یہ بتایا جاتا ہے کہ کتاب بنانے کا یہ طریقہ ہے، بریانی بنانے کا یہ طریقہ ہے، نہاری بنانے کا یہ طریقہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس طریقے میں پوری تفصیلات موجود ہوتی ہیں۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ کون سی چیز کتنی مقدار میں ڈالی جائے گی۔ اب مثلاً آپ نے بریانی بنانے کا طریقہ کسی کتاب سے پڑھ لیا کہ اس میں چاول اتنے ہوں گے، گوشت اتنا ہو گا، مصالح اتنا ڈالے گا، نمک اتنا ہو گا، پانی اتنا ہو گا وغیرہ وغیرہ۔ سب کچھ اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد از خود بریانی تیار کرنے لگے۔ تو کیا خیال ہے بریانی بن جائے گی؟! بریانی کیا بلکہ بریانی کا دلیہ تیار ہو جائے گا حالانکہ آپ نے کتاب کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا اور اس کی ہدایات پر پورا پورا عمل بھی کیا لیکن اس کے باوجود آپ سے بریانی نہیں پک سکی۔ کیوں؟ اس لیے کہ بریانی کا پکانا کتابوں سے نہیں سیکھا جاتا۔ اس کے سیکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کسی ماہر بریانی پکانے والے کی ہشگردی اختیار کریں۔ اس کی محبت میں رہیں، اس کی ہدایات پر عمل کرتے رہیں۔ وہ آپ سے کہے گا کہ اتنا پانی ڈالو کچھ دیر بعد کہے گا کہ اچھا اب اتنے چاول ڈال دو۔ آج چیخ کھو۔ ایسا کرو، ویسا کرو۔ جیسے جیسے وہ کہتا رہے گا، آپ کو ویسا ویسا کرنا پڑے گا۔ کبھی غلطی ہو جائے گی تو ڈانت بھی کھانی پڑے گی۔ غرضیکہ اگر آپ اسی طرح اس کے ساتھ گئے رہے تو پندرہ میں دن میں آپ بہترین بریانی بنانے کے قابل ہو جائیں گے۔

طریقت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ مثلاً کسی کے دل میں "حد" ہے۔ میں آپ کو حسدی تعریف بتاؤں اور یہ بھی بتاؤں کہ اس کے دور کرنے کا طریقہ یہ ہے۔ آپ سمجھ تو لیں گے لیکن اس سے آپ کا حسد دور نہیں ہو گا۔ تکبر کے کہتے ہیں اور اس سے بچنے کا طریقہ کیا ہے، کتاب میں پڑھنے سے اور استاذ سے تکبر دور نہیں ہو گا۔ اس کے لیے کسی اللہ والے کی خدمت میں جا کر رہنا پڑے گا۔ شیخ بدایات بھی دیتا رہے گا، روک توک بھی کرتا رہے گا۔ رفتہ رفتہ یہ مرض دور ہو جائے گا۔

شیخ طریقت ماہرِ نفیات ہوتا ہے:

شیخ طریقت دراصل نفیات کا ماہر ہوتا ہے۔ وہ ایسے ایسے علاج بتاتا ہے کہ اس سے دل کی وہ بیماریاں آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہیں جو جنت کے راستے میں حائل ہونے والی ہیں، دینی اور اخلاقی اعتبار سے انسان کو ہلاک کر دینے والی ہوتی ہیں جیسے بخل، حسد، کینہ اور تکبر وغیرہ۔

اب میں آپ کو اپنی مثال بتاتا ہوں۔ میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے مجھے اور میرے بھائی مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کو حکیم الامم مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ حضرت ڈاکٹر عبدالحکیم عارفی صاحبؒ سے بیعت کرایا۔ الحمد للہ، ہمارا ان کے ساتھ انہیں سال تک تعلق رہا۔ بیفتے میں ایک مرتبہ ان سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ پھر انہوں نے ہم دو بھائیوں کے لیے ایک مجلس خاص طور پر پیر کے دن رکھی۔ البتہ بعد میں دوسرے لوگ بھی اس میں آنا شروع ہو گئے۔ اس زمانے میں مختلف جلوسوں اور ریڈیو پر ہماری تقریریں ہوتی تھیں۔ جلوسوں کی تقریر کا اشتہار بعض مرتبہ اخبارات میں بھی آتا تھا، پوسٹر بھی لگے ہوتے تھے۔ بعض مرتبہ ہمارے مضامین بھی اخبارات میں چھپ جاتے تھے۔ یہ سب ہماری نظر میں اشاعت دین کا کام تھا لیکن ہمارے مرشدؒ نے ہم سے ایک مرتبہ فرمایا کہ بھائی! آپ

تقریریں نہ کیا کریں۔ آپ جلوں میں نہ جایا کریں۔ ذہن میں فوراً یہ سوال پیدا ہوا کہ یہ کیوں؟ لیکن حضرت کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کیونکہ مرید کا کام یہ ہے کہ شیخ جوہدیت دے، اس پر چوں و چراں نہ کرے۔

شاگرد اور مرید میں فرق:

ایک مرید اربابت یاد آگئی۔ وہ یہ کہ شاگرد اگر اپنے استاذ سے سوال و جواب اور چوں و چراں نہ کرے تو وہ پر لے درجے کا بیوقوف ہے لیکن طریقت میں مرید اگر چوں چراں کرے گا تو پر لے درجے کا بیوقوف ہو گا چنانچہ فارسی کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ:

شاگرد یکہ چوں و چراں نہ کند

و مرید یکہ چوں و چراں کند ہردو

را پھر اگاہ باید فرستاد

”جو شاگرد چوں و چراں نہ کرے اور جو مرید چوں و چراں کرے، ان

دونوں کو چراگاہ میں بھیج دینا چاہیے (کیونکہ یہ آدمی نہیں بلکہ جانور

بھی ہیں)۔“

شاگرد کا کام تو سوال کرنا ہے۔ اگر وہ سوال نہیں کرے گا تو اسے کبھی پختہ علم حاصل نہیں ہو گا مثلاً میڈیکل کے طالبعلم نے استاد سے سبق پڑھا، فارمولہ آدھا سمجھ میں آیا، آدھا نہیں آیا لیکن جو سمجھ میں نہیں آیا، وہ اس نے استاد سے پوچھا بھی نہیں تو ایسا طالبعلم کبھی ماہر ڈاکٹر نہیں بن سکتا۔ لیکن یہی شاگرد اگر بیمار پڑ کر ہسپتال پہنچ گیا اور ڈاکٹر نے اس کے لیے دوائی تجویز کی اور کہا کہ فلاں دوا فلاں وقت کھاؤ، فلاں انجکشن لگواؤ اور فلاں پر ہیز کرو تو اگر وہاں یہ ڈاکٹر سے پوچھے گا کہ آپ نے جو فلاں فلاں دوا تجویز کی ہے، اس کی دلیل بھی بتلادیں اور فلاں پر ہیز کی وجہ بھی سمجھادیں تو ڈاکٹر صاحب اُس کو وہیں سے رخصت کر دیں گے کہ یہ سوالات آپ میڈیکل کالج میں تو کر سکتے ہیں، ہسپتال میں نہیں کر سکتے۔

اسی طرح استاذ سے تو شاگرد پوچھتا ہے لیکن شیخ اگر اپنے مرید کو کسی کام کے کرنے کا یا کسی کام سے رکنے کا حکم دیتا ہے تو مرید کو اس کی وجہ پوچھنے کا حق نہیں۔ لہذا جب حضرت نے ہمیں تقریریں کرنے سے منع کر دیا تو ہم خاموش ہو گئے۔

جلسوں والے آئے تو ان سے مذکورت کر دی، ریڈیو والے آئے کہ فلاں تاریخ کو آپ کی تقریر ہوتی تھی، تشریف لا ٹائیں لیکن حضرت کی طرف سے اجازت نہ ہونے کی وجہ سے ان سے بھی مذکورت کرنا پڑی، اخبارات میں مضامین بھیجا بھی بند کر دیئے بلکہ اگر ان کا مطالبہ بھی آیا تو انکار کرنا پڑا۔ اب ذہن میں یہ آتا تھا کہ حضرت ان نیک کاموں سے روک رہے ہیں تو اس کی کوئی حکمت ضرور ہو گی۔ لیکن وہ حکمت کیا تھی، دس سال تک ہمیں معلوم نہ ہو سکی۔

دس سال بعد حکمت معلوم ہوئی:

دس سال بعد ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ میں نے جلوں اور ریڈیو پر تقریر کرنے سے اس لیے روکے رکھا کہ ابھی آپ کو "بلوغ" نہیں ہوا۔ جب "بلوغ" ہو جائے گا تو پھر کسی کے روکے بھی نہیں رکو گے۔ یہ فرماد کر اندر کمرے میں تشریف لے گئے اور خطوط کا ایک ڈھیر اٹھا کر باہر لائے اور فرمایا کہ یہ سارے کے سارے خطوط شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے ہیں۔ ان میں سے ہر خط کے اندر یہ بات ضرور لکھی ہے کہ مجھے بڑی خوشی ہے کہ یہ دونوں صاحبوزادے (میں اور مولانا نقی عثمانی) آپ کی زیر تربیت ہیں۔ میری درخواست ہے کہ آپ ان دونوں پر خصوصی توجہ فرمائیں۔ چونکہ یہ بڑے باپ نکے بیٹے ہیں، اس لیے مجھے ڈر ہے کہ کہیں ان کے دلوں میں تکبر پیدا نہ ہو جائے اس لیے اس پہلو کا خصوصیت سے خیال رکھیں۔

یہ خطوط دکھانے کے بعد فرمایا کہ مولوی صاحبؒ میں نے آپ کو جلوں وغیرہ میں تقاریر کرنے اور اخبارات میں مضامین لکھنے سے اس لیے منع کیا تھا کہ کہیں آپ کے

اندر شہرت کا شوق نہ پیدا ہو جائے۔ خدا نخواستہ اگر آپ کے اندر شہرت کا شوق پیدا ہو گیا تو ساری محنت اکارت چلی جائے گی۔

اس مثال سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ شیخ اپنے مریدوں کا علاج کس طرح کرتا ہے۔ دراصل مرشد یہ دیکھتا ہے کہ کون سی بیماری مرید میں موجود ہے یا کون سی بیماری کا خطرہ ہے۔ پھر اس کے علاج یا سدِ باب کے لیے مختلف تدبیریں اختیار کرتا ہے۔ کسی مرید کے بارے میں مثلاً حسد کا خطرہ ہوتا ہے تو اس کے حسد کا علاج کرتا ہے، کسی کے بارے میں بخل کا خطرہ ہوتا ہے تو اس کے بخل کا علاج کرتا ہے۔ ہمارے بارے میں تکبر کا خطرہ تھا تو ہمارا اس طرح علاج کیا۔ گویا طریقت گناہوں اور باطنی بیماریوں سے بچنے کی عملی کوشش اور پر یکنیکل کرانے کا نام ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس تفصیل سے شریعت اور طریقت، استاد و شاگرد اور مرشد و مرید کا فرق سمجھ میں آگیا ہو گا۔ باقی باتیں پھر کبھی سہی۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين^۵

سوالات و جوابات ﴿۲﴾

حضرت مولیٰ علیہم کے خطاب کے بعد سامعین نے مختلف طرح کے دینی سوالات پوچھے، جن کے حضرت مولیٰ علیہم نے ان کے تسلی بخش جوابات دیئے۔ افادۂ قارئین کے لیے وہ سوالات و جوابات بھی طبع کیے جا رہے ہیں۔

کیا چاروں فقہی مذاہب کو جمع کر کے ایک مذہب بنایا جا سکتا ہے؟

سوال:

کیا یہ ممکن ہے کہ چاروں فقہی مکاتب کو ملا کر ایک فقہ کر دی جائے تاکہ عام مسلمانوں کے لیے آسانی پیدا ہو جائے اور وہ کنفیوژن کا شکار نہ ہوں۔

جواب:

بھی ہاں، عقولاً بھی ممکن ہے اور شرعاً بھی ناجائز نہیں ہے۔ لیکن اس کے لیے ایسے امام کی ضرورت ہے جو چاروں اماموں سے زیادہ علم رکھنے والا ہو۔ بظاہر جب امام مہدی علیہ السلام تشریف لائیں گے تو وہ یہ کام کریں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس طرح چار فقہی مذاہب پیدا ہونے میں کنفیوژن کی کوئی بات ہی نہیں۔ اس کی مثال سمجھ بیجی۔ فرض کیجیے چار بھائی ہیں اور چاروں بھائی ہیں اور مختلف ڈاکٹروں سے علاج کر ا رہے ہیں تو صاف بات یہ ہے کہ جو بھائی جس ڈاکٹر کا علاج کر رہا ہے، اس کی پابندی کرے، انشاء اللہ شفا ہو جائے گی۔ اگرچہ ہر ڈاکٹر کی بتائی ہوئی دوادوسرے ڈاکٹر کی دوائے مختلف ہو سکتی ہے لیکن ہر بھائی اگر صرف اپنے ہی ڈاکٹر کی بتائی دوائی استعمال کرنے گا تو کوئی کنفیوژن پیدا نہیں ہو گا۔ ہاں، کنفیوژن اُس وقت پیدا ہو گا جب ایک بھائی اپنے ڈاکٹر کی دوائی بھی کھائے اور دوسرے کی دوائی بھی کھائے یا یہ اپنی دوائی چھوڑ کر دوسرے کی دوائی کھائے یا جو پرہیز ڈاکٹر نے ایک بھائی کو بتایا ہے، وہ اس

پر ہیز کو چھوڑ کر اس پر ہیز کو اختیار کر لے جو اس کے بھائی کو بتایا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر کوئی کنفیوژن کی بات نہیں۔

اسی طرح اگر ہر آدمی اپنے اپنے امام کی فقہ پر عمل کرتا رہے تو کوئی گڑ بڑ نہیں ہوتی، ساری گڑ بڑا اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب آدمی یہ کہے کہ میں جس امام کی فقہ پر عمل کر رہا ہوں، فلاں شخص بھی اُسی امام کی فقہ پر عمل کرے۔ چاروں امام برحق ہیں۔ ان میں سے جو حس کی پیروی کرے گا، انشاء اللہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ لہذا اس میں کنفیوژن کی کوئی بات نہیں۔

نماز میں پاؤں ملانے کا حکم

سوال:

نماز کے اندر پاؤں سے پاؤں ملا کر کھڑے ہونا چاہیے یا نہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں بتائیں۔

جواب:

پہلے یہ سمجھ لیں کہ قرآن کریم یا احادیث میں کہیں یہ نہیں آیا کہ ایک نمازی دوسرے کے پاؤں کے ساتھ اپنا پاؤں اڑا کر کھڑا ہو جائے۔ ملا کر کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لائن میں ہوتا کہ صفائی ہو جائے۔ جس طرح شانے سے شانے کو ملانے کا حکم آیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ بالکل ملا دو (اور یہ تو ممکن بھی نہیں) بلکہ مراد یہ ہے کہ سیدھے میں رکھو۔

ہیرے پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

سوال:

ہیرے (Diamond) پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ ہے تو کتنی ہے، نہیں ہے، تو کیوں نہیں؟

جواب:

اگر ہیر اتھارت کے لیے نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے البتہ سونا خواہ تجارت کے لیے ہو یا پہنچے کے لیے دونوں صورتوں میں اس پر زکوٰۃ ہے۔ باقی رہایہ سوال کہ ہیرے پر زکوٰۃ کیوں نہیں تو اس کا نہایت دلنشدانا جواب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اس پر زکوٰۃ فرض نہیں کی۔ ہم تو حکم کے پابند ہیں، جس طرح اللہ کا حکم ہو گا، اسی طرح اس کی پیروی کریں گے۔

قصر نماز کتنی ہے؟سوال:

قصر نماز کتنی ہے، دو یا چار؟

جواب:

قصر نماز میں چار رکعت والی نماز کی دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔
کیا کسی امام کی تقلید ضروری ہے؟

سوال:

کیا چاروں انہمہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرنا ضروری ہے؟

جواب:

یہ سوال بہت سے لوگ کرتے ہیں۔ اس کا تفصیلی جواب سمجھ لیجئے۔ قرآن مجید نے اپنی خواہشات کی پیروی کرنے سے منع کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خواہشات نفس کی پیروی کرنا حرام ہے۔ اور اس حرام سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ کسی ایک امام کی تقلید کی جائے۔ ایسا نہ کیا جائے کہ کچھ باتوں میں امام کی پیروی کر لی، کچھ دوسری باتوں میں

دوسرے امام کی تقلید کری۔ اگر ایسا کرنے کی اجازت دی گئی تو لوگ خواہشات نفس کی پیروی کریں گے کہ اپنی مرضی اور خواہش کا مسئلہ تلاش کریں گے، وہ جہاں بھی مل جائے، اس پر عمل کریں گے اور چونکہ ایسا کرنا حرام ہے اس لیے کسی ایک امام کی پیروی کرنا ضروری ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی ایک امام کی پیروی نہ کرنے سے بعض مرتبہ ایسی صورت حال بھی پیش آ سکتی ہے کہاً دی کا عمل شرعاً بالکل معتبر نہ رہے حالانکہ وہ شخص اپنے طور پر اسے درست سمجھ رہا ہو مثلاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر جسم کے کسی حصہ سے خون نکل کر ذرا سا بہہ جائے تو وضو ثبوت جاتا ہے۔ جبکہ امام شافعیؓ کے نزدیک خون بہنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس کے برعکس ایک دوسرا مسئلہ ہے۔ وہ یہ کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت کو حائل کے بغیر چھواؤ تو امام شافعیؓ کے نزدیک اس کا وضو ثبوت گیا جبکہ امام ابوحنیفہؓ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا۔

اب ایک شخص سے یہ دونوں کام ہو گئے۔ یعنی اس کا خون بھی بہا اور اس نے بغیر حائل کے کسی عورت کو بھی چھوادہ کہتا ہے کہ آج سردی بہت ہے وضو کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ ایسا کر لیتا ہوں کہ خون کے معاملے میں امام شافعیؓ کا مسلک اختیار کر لیتا ہوں اور عورت کو چھونے والے مسئلے میں امام ابوحنیفہؓ کے نہ بہ پر عمل کر لیتا ہوں لہذا نیا وضو کیے بغیر نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اگر یہ شخص ایسا کرے گا تو اس کی نماز کسی کے نزدیک بھی درست نہیں ہو گی حالانکہ وہ یہ سمجھے گا کہ میں یہ کام صحیح کر رہا ہوں۔

اس کو ایک نظیر کے ذریعے سے بھی سمجھ لیجئے۔ آپ ایک ڈاکٹر سے علاج کرا رہے ہیں۔ عین اُسی وقت میں اُسی مرض کا علاج کسی دوسرے ڈاکٹر سے شروع کر دیتے ہیں۔ کچھ دوائیں ایک ڈاکٹر نے بتا رکھی ہیں، کچھ دوسرے نے بتا رکھی ہیں۔ آپ اپنی مرضی سے ان میں تبدیلیاں کرتے رہتے ہیں کہ سیرپ تو فلاں ڈاکٹر کا اچھا رہے گا اور گولیاں فلاں ڈاکٹر کی بہتر رہیں گی تو خود ہی بتائیے کہ اپنی مرضی کی ایسی تبدیلیوں کا کیا

انجام ہوگا۔ ایسا ہی معاملہ اُس شخص کا ہے جو اپنے آپ کو ایسا آزاد کرنا چاہتا ہے کہ جس کو چاہا اختیار کر لیا تو درحقیقت وہ نہ اللہ کی پیروی کر رہا ہے نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور نہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کی بلکہ وہ تو سیدھا سادا شیطان کی اور اپنے نفس کی پیروی کر رہا ہے جس سے قرآن نے صاف منع کیا ہے۔

بآہمی نارِ اضکلی اور عداوت کا حکم

سوال:

میں حج کے مبارک سفر پر جا رہا ہوں لیکن میری اپنے ایک دوست کے ساتھ کسی بات پر نارِ اضکلی ہو گئی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ سفرِ حج پر جانے سے پہلے معافی تلافی کر لوں لیکن میرا بھائی کہتا ہے کہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ سفرِ حج سے پہلے ناراض لੋگوں کو منایا جائے۔ برادرِ مہربانی ہماری رہنمائی فرمائیں۔

جواب:

آپ نے بہت اچھا سوچا ہے۔ حج پر جانے سے پہلے راضی نامہ کر لینا چاہیے۔ مسلمانوں کے درمیان نارِ اضکلی اور عداوت و دشمنی سخت حرام ہے۔ اتنی سخت حرام ہے کہ لیلۃ القدر میں سب لੋگوں کی بخشش ہو جاتی ہے لیکن ایسے دلوگوں کی بخشش نہیں ہوتی جو ایک دوسرے سے عداوت رکھتے ہوں۔

دیے بھی حج پر جانے سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرنی چاہیے اور توبہ کے اندر یہ بھی داخل ہے کہ اگر کسی کے ساتھ نارِ اضکلی چل رہی ہو تو معافی تلافی کر لی جائے۔ ایک اور بات آپ کی خدمت میں عرض کروں۔ وہ یہ کہ راضی نامے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنی موچھیں پیچی کرلو۔ اگر آپ یہ چاہیں گے کہ دوسرے کی موچھیں پیچی ہوں، میری اوپھی رہیں تو صلح نہیں ہو گی کیونکہ وہ بھی سیکھی چاہے گا کہ میری موچھیں اوپھی رہیں اور دو متبکروں میں کچھی اتفاق نہیں ہوتا۔ اتحاد و اتفاق کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ایک فرق موچھیں

چی کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

﴿هُمْ نَوَاضِعُ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ﴾

”جو شخص اللہ کے لیے اپنے آپ کو نیچے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا فرماتا ہے۔“

آپ پستی اختیار کیجئے انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت میں بلندی عطا فرمائے گا۔

پیر کی بے چوں و چراں پیروی کیوں؟

سوال:

آپ نے اپنی تقریر کے دوران کہا ہے کہ طریقت میں سوال نہیں کرنا چاہیے یعنی اگر پیر نے کچھ کہا ہے تو سوال نہیں کرنا چاہیے۔ کیا شریعت میں اس کی کوئی دلیل ہے۔

جواب:

قرآن مجید میں ہے:

﴿إِلَيْهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولَئِكَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾

”اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور تم میں جو امر و اعلیٰ ہیں ان کی۔“

”اولو الامر“ سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں لیکن ہمارے بزرگوں نے جس کو اختیار کیا اور تفسیر معارف القرآن میں ہمارے والد ماجدؒ نے جس کو بیان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ تنظیم حکومت میں اولو الامر سے مراد حکام ہیں اور شرعی مسائل میں علماء اور اللہ والے ہیں تو جس کو آپ نے اپنا مرشد بنایا ہے، بے چوں و چراں اس کی پیروی کریں۔

خواتین کے لیے مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال:

کیا خواتین کے لیے مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب:

اس کا جواب ذرا تفصیل سے سمجھ لیجئے۔ بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد نبوی میں خواتین نماز کے لیے آیا کرتی تھیں اور طریقہ یہ ہوتا تھا کہ مرد آگے ہوتے تھے، ان کے پیچے پیچے اور سب سے آخر میں خواتین۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”عورتوں کے لیے افضل نمازوہ ہے جو اپنے گھر میں پڑھیں اور گھر میں بھی صحن کے مقابلے کمرے کے اندر نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے۔“

یہ بات اُس وقت فرمائی جب عورتیں مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کے لیے حاضر ہوتی تھیں جس میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد نبوی میں اُس وقت امامت بھی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ اس کے باوجود فرمایا کہ عورتوں کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ گھر میں نماز پڑھیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو روکا نہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عورتیں مسجد آئیں گی تو اسلام کے احکام بردا راست سیکھ سکیں گی۔ اس وجہ کے پیش نظر اگرچہ منع نہیں کیا لیکن ترغیب اس بات کی دی کہ عورتیں گھر میں نماز پڑھیں۔ اس سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ خاتون اگر گھر میں نماز پڑھے تو اس کو مسجد نبوی جتنا ثواب ملتا ہے، اس سے زیادہ ثواب مدینہ طیبہ کے اندر گھر میں نماز پڑھنے پر ملتا۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسری بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو چند شرطوں کے ساتھ مسجد میں آنے کی اجازت دی مثلاً یہ کہ وہ راستے کے بیچ میں چل کر

نہ آئیں، بلکہ راستے کے کنارے سمت کر چلیں۔ دوسرے یہ کہ بن سنور کرنے نکلیں۔ تیسرا یہ کہ پردے کے ساتھ نکلیں۔ چوتھے یہ کہ خوبیوں کا کرنہ نکلیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس زمانے میں عورتوں نے جو طریقہ اختیار کر لیا، اگر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیتے تو عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کر دیا جاتا جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات اس زمانے میں فرمائی جب صحابہ کرام کی ایک کثیر تعداد حیات تھی۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے دورہ میں عورتوں نے وہ پابندیاں چھوڑ دی تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عائد کی تھیں حالانکہ صحابہ کرام کا زمانہ وہ ہے کہ جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

﴿خَيْرُ الْقَرْوَنِ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونُهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونُهُمْ﴾

”سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے اس کے بعد اس سے ملا ہوا دور ہے اور اس کے بعد اس سے ملا ہوا دور ہے۔“

تو صحابہ کرام کا دور ”خیر القرون“ کہلاتا ہے، اس زمانے میں کچھ عورتوں کا یہ حال ہو گیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ فرمانا پڑا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کا یہ حال دیکھ لیتے تو انہیں مسجد میں آنے سے منع کر دیا جاتا۔ کچھ عرصے سے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کر دیا۔ چنانچہ آج تک اسلامی ممالک میں یہی ہو رہا ہے کہ خواتین نماز کے لیے مسجدوں میں نہیں آتیں البتہ مسجدوں میں عورتوں کے لیے نماز کی جگہ رکھ دی جاتی ہے تاکہ اگر وہ شہر میں کہیں سفر کے لیے جا رہی ہیں (اور شہر بھی بڑے بڑے ہیں) اور راستے میں کہیں نماز کا وقت ہو جائے تو وہ وہاں نماز پڑھ لیں۔

لیکن یہاں امر یکہ اور یورپ کے حالات ذکر کر میرا خیال یہ ہو رہا ہے (یہ میرا

فتویٰ نہیں، محض خیال ہے) کہ اگر یہاں کے ماحول میں ہم خواتین کو محروم کے ساتھ مسجد میں آنے کی اجازت دے دیں اور ان شرائط کی پابندی بھی کی جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لگائی تھی تو امید ہے کہ اس سے کوئی بڑی خرابی پیدا نہیں ہوگی اور انشاء اللہ ایسا کرنا ناجائز بھی نہیں ہو گا۔

یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ہماری خواتین کے پاس یہاں دین سکھنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ مسجد میں آنے سے انہیں دین سکھنے کا کچھ موقع مل جائے گا۔

ملازمت یا تجارت کی غرض سے امریکہ میں رہائش کا حکم

سوال:

اگر کوئی شخص ملازمت یا تجارت کی غرض سے امریکہ میں رہائش اختیار کرتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:

جاائز ہے بشرطیکہ شریعت پر عمل کر سکے لہذا اگر اسے خطروہ ہو کہ یہاں رہ کر دین پر عمل نہیں کر سکے گا یا اس کے بیوی بچے اس پر عمل نہیں کر سکیں گے تو ایسی صورت میں یہاں رہنا جائز نہیں ہو گا۔

موجودہ زمانے کے یہودی و عیسائی اہل کتاب ہیں یا نہیں؟

سوال:

کیا اس زمانے کے یہودی اور عیسائی اہل کتاب ہیں یا نہیں؟

جواب:

یہ سوال اس لیے کیا گیا ہے کہ اسلام نے اہل کتاب کا قبیحہ کھانے اور ان کی

عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے تو اگر ہم ان کو اہل کتاب تسلیم کر لیں تو ان کا ذبیحہ حلال اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہو جائے گا۔

جواب یہ ہے کہ یہودی اور عیسائیوں میں سے بہت سے لوگ تو وہ ہیں جو محض خاندانی نسبی طور پر اپنے آپ کو یہودی یا عیسائی کہتے ہیں۔ ان کے عقیدے یہودیت یا عیسائیت والے نہیں ہیں چنانچہ ان میں سے بہت سارے ایسے ہیں جو خدا کو ہی نہیں مانتے ایسے لوگ درحقیقت بے دین ہیں لہذا ان کی عورتوں سے نکاح بھی جائز نہیں اور ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔

لیکن اگر یہودی اور عیسائی اپنے مذہب پر قائم ہیں تو ان کا ذبیحہ حلال ہو گا بشرطیکہ ذنبح کرتے وقت ان شرائط کی پابندی کریں جو ان کے مذہب میں مقرر کی گئی ہیں۔ ہماری معلومات یہ ہیں کہ یہاں یہودی تو اپنے مذہب کے مطابق ذبیحہ کرتے ہیں (آئی کو کوثر کہتے ہیں) اور عیسائی اپنے مذہب کے مطابق ذبیحہ نہیں کرتے۔

صحیح مرشد کی پہچان

سوال:

صحیح مرشد کی پہچان کیا ہے؟ کس کو اپنا مرشد بنایا جائے؟

جواب:

مرشد کی مثال ڈاکٹر کی ہے۔ جس ڈاکٹر کو حکومت کی طرف سے لوگوں کا علاج کرانے کی اجازت ملی ہو اس سے علاج کرانا تو درست ہے لیکن جس ڈاکٹر کو حکومت نے علاج کرنے کی اجازت نہ دی ہو، اس سے علاج کرانا عقلمندی نہیں۔ اسی طرح ایسا شخص جس کا مرشد یہ سمجھتا ہے کہ اب یہ تربیت حاصل کر چکا ہے اور دوسروں کا علاج کر سکتا ہے تو وہ اُسے اپنی طرف سے خلیفہ بناتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُسے اس کا مرشد کی

طرف سے دوسروں کی تربیت کرنے کی اجازت مل گئی تو جس شخص کو اس کا شیخ اس طرح کی اجازت دے دے تو اس کے لیے دوسروں کو بیعت کرنا جائز ہے اور دوسروں کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ اُسے اپنا مرشد بنائیں۔

لیکن یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ آج کل سجادہ نشینی کا ایک سلسہ بھی چل پڑا ہے۔ باپ پیر تھا، اس کے مرید بھی تھے، اس کا انتقال ہوا تو بینا اس کے جانشین بن گیا، حالانکہ بسا اوقات ایسا شخص دین پر عمل کرنے والا نہیں ہوتا، تو ایسے لوگوں کے ہاتھ پر بیعت کرنا بالکل جائز نہیں۔

گویا صحیح مرشد ہونے کے لیے بنیادی طور پر دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) اُسے اپنے شیخ سے اجازت ملی ہوئی ہو۔

(۲) وہ شریعت پر عمل کرنے والا ہو۔

ایک وقت تین طلاقیں دینے کا حکم

سوال:

شوہر نے بیوی سے ناراضگی کی بنیاد پر ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دیں تو کیا اس عورت پر تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب:

آج کل ایک مشکل تو یہ ہو گئی ہے کہ جب بھی بیوی کو طلاق دیتے ہیں تو تین طلاقیں ہی دیتے ہیں، حتیٰ کہ اب یہاں تک ہو گیا ہے کہ شوہر کو خود لکھنا نہیں آتا، وہ عرضی نویں کے پاس جا کر کہتا ہے کہ مجھے طلاق لکھ دو۔ وہ بھی تین طلاقیں لکھتا ہے۔ پھر اس سے دستخط کروالیتا ہے یا انگوٹھا لگواليتا ہے۔

خوب سمجھ لیجئے کہ تین طلاقیں اکٹھی دینا ناجائز ہے۔ ایک طلاق سے کام چل سکتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ عذت کے اندر اگر رجوع کرنا چاہے گا تو رجوع کر سکتا

ہے۔ دوسری طلاق کے بعد بھی یہی اختیار رہتا ہے لیکن تین طلاقوں دینے کے بعد یہ اختیار نہیں رہتا حتیٰ کہ تین طلاقوں دینے کے بعد دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تین طلاقوں دینا کتنا خطرناک ہے اور گناہ ہے لیکن یاد رکھیے جب تین طلاقوں دے دی جائیں تو تمیوں طلاقوں واقع ہو جائیں گی۔ اس کی مثال یوں بھیں کہ میرے ہاتھ میں پستول ہے اور سامنے ایک آدمی ہے۔ اگر میں اس کو ایک گولی ماروں گا تو ایک لگے گی، تین ماروں گا تو تین لگیں گی۔

دوسرے شیخ کی بیعت کرنے کا حکم

سوال:

اگر شیخ کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ ضروری ہے کہ دوسرے شیخ کی بیعت کی جائے یا پہلے ہی شیخ کی تعلیمات کو جاری رکھا جائے؟

جواب:

اگر مرشد کا انتقال ہو جائے تو کسی دوسرے مرشد سے بیعت کرنا واجب تو نہیں البتہ کسی شیخ سے اپنا اصلائی تعلق ضرور قائم کر لینا چاہیے۔

دائرہ کا شرعی حکم اور اس کی مقدار

سوال:

دائرہ کا کیا حکم ہے اور اس کی مقدار کیا ہے؟

جواب:

جہاں تک دائیٰ رکھنے کا تعلق ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بار بار حکم دیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

﴿اعفووا اللُّهِ﴾

”داڑھیوں کو بڑھاؤ۔“

اور شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ یہ کرو تو وہ واجب ہو جاتی ہے۔ لہذا داڑھی رکھنا واجب ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ داڑھی کی مقدار کیا ہے تو بات یہ ہے کہ حدیث کی تفسیر حدیث سے اور صحابہ کرام کے عمل سے ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی کے اطراف سے کچھ بال لیا کرتے تھے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ داڑھی کے کچھ بال کاٹنے کی گنجائش ہے۔ لیکن کتنی کاٹنے کی گنجائش ہے، یہ بات اس حدیث سے معلوم نہیں ہوئی۔

ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر کا واقعہ ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ ان کا خاص وصف یہ ہے کہ ان کے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ایسی سنتوں پر عمل کرنے کا بھی بہت اہتمام تھا جو سنن عادیہ کہلاتی ہیں یعنی جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کے طور پر نہیں کیا بلکہ اُسے اپنی عادت میں شامل کر لیا۔

ان کا یہ عمل دیکھا گیا کہ آپ اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر قیچی سے کاٹ دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو یہ ثابت ہے کہ آپ اپنی داڑھی سے کچھ لیا کرتے تھے۔ اس کی مقدار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل سے ثابت ہوئی۔ اس بنیاد پر علماء کرام نے فرمایا کہ داڑھی کو کاشنا اس حد تک جائز ہے کہ مٹھی سے کم نہ ہو۔

داڑھی کی حدود

سوال:

داڑھی کی حدود کیا ہیں؟

جواب:

داڑھی کو عربی زبان میں ”لحیہ“ کہا جاتا ہے اور ”لحیہ“ نیچے کے جڑے کو بھی کہتے ہیں لہذا نیچے کے جڑے کے مقابلے میں جواب ہیں، وہ داڑھی میں شامل ہیں۔

اجتماعی قرآن خوانی کا حکم

سوال:

اجتماعی قرآن خوانی کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:

کسی روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام کے دور میں لوگ جمع ہو کر قرآن کریم ختم کرتے ہوں اور پھر اس کا ایصال ثواب کرتے ہوں اس لیے اس کا اہتمام نہیں کرنا چاہیے البتہ اگر کہیں میت ہو گئی اور لوگ جمع ہو گئے تو بجائے اس کے کوہ فارغ بیٹھے رہیں یا ادھر ادھر کی باتیں کریں، اگر تلاوت قرآن کر کے ایصال ثواب کر لیں تو یہ زیادہ بہتر ہے اور اس کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ پورا قرآن مجید ختم کیا جائے بلکہ جس کو جتنی توفیق ہو جائے، وہ اتنا پڑھ کے ایصال ثواب کر دے۔

سالگردہ منانے کا حکم

سوال:

برتحڈے (سالگردہ) منانا جائز ہے یا نہیں؟

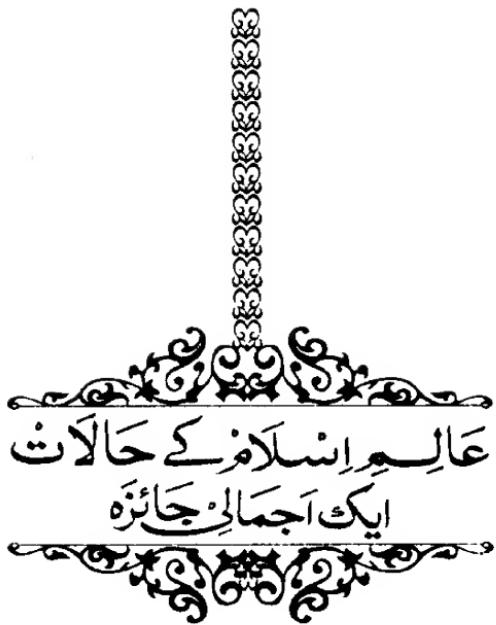
جواب:

ہمارے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ لوگ سالگردہ اس خوشی میں مناتے ہیں

کہ ہماری عمر ایک سال بڑھ گی۔ غور کریں تو معلوم ہو کا کہ ایک سال بڑھی نہیں بلکہ گھٹ گئی، بتنی عمر لے کر آیا تھا، ہر سال اس سے ایک سال کم ہوتی جا رہی ہے تو یہ خوشی کے بجائے فکر مندی کی بات ہے۔ یہ خوشی منانے کے بجائے اپنا احتساب کرنے کا موقع ہے۔ اپنے آپ سے پوچھیں کہ ہم ایک سال قبر کے قریب ہو گئے اور ہم نے اس کے لیے کیا تیاری کی۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ غیر مسلموں کا طریقہ کار ہے اگر غیر مسلموں کے مذہبی شعارات میں تقبہ ہو تو وہ حرام ہے اور اگر مذہبی شعارات نہیں تو بھی تقبہ کراہت سے خالی نہیں کیونکہ وہ دوسروں کا اپنا یا ہوا طریقہ ہے، اس لیے اس سے بھی بچنا چاہیے۔

والله عالم با اصول



خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفع عثمانی مدحبلہم
مقام: دینہ (جہلم)
ترتیب و عنوانات: انجاز احمد صمد آئی

﴿عالم اسلام کے حالات ایک اجمالی جائزہ﴾

خطبہ مسنونہ

﴿الحمد لله نحمدُه و نستعينُه، و نستغفِرُه و نومن
بِه و نتوَّكِلُ عَلَيْهِ و نعوْذُ بِاللهِ مِن شرِّورِ انفسنا و مِن
سيَّاتِ أَعْمَالِنَا . مِن يَهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضَلَّ لَهُ وَمَن
يَضْلِلَهُ فَلَا هَادِي لَهُ وَنَشَهَدُ أَن لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشَهَدُ أَن سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا
مُحَمَّداً عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ، صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى
آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا كَثِيرًا﴾

اَمَا بَعْدَ:

فَاعُوذُ بِاللهِ مِن الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
﴿إِلَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْبَعَتْ فِيهِمْ رَسُولاً مِنْ
أَنفُسِهِمْ يَتُّلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمْ﴾

الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفْيِ صَلَالٍ
مبین ۵۰ (آل عمران، ۱۶۳)

امید افزا صورت حال

بزرگان محترم، حضرات علماء کرام اور معزز اسماعیلیں!

میرے لئے آپ کے اس شہر ”دینہ“ میں آنے کا یہ پہلا موقع ہے۔ یہاں قریب سے گزرا تو ہوں لیکن اس سے پہلے یہاں رکنے کا موقع نہیں ملا۔ آج کے سفر میں یہاں آنے کے بعد چند گھنٹوں میں جن حضرات سے ملاقاتیں ہوئیں، اس سے ایک امید افزاصورت سامنے آئی کہ الحمد للہ، اس علاقے میں دین کے جذبات موجود ہیں اور مخالفین اسلام کی سازشوں اور کوششوں کے باوجود یہاں دین کا ایک ولولہ اور جذبہ صادقہ موجود ہے۔ یہ ایک فال نیک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جذبے کو اس پورے علاقے کے لئے مبارک کرے اور یہاں سے وہ افراد پیدا کرے جن کی اس وقت عالم اسلام کو ضرورت ہے۔

اوپر کی سطح

اوپر کی سطح پر تو یہ نظر آتا ہے کہ پورا عالم کفر مسلمانوں کو منانے پر متفق ہو گیا ہے اور جگہ جگہ مسلمان ظلم و ستم کا شکار ہیں۔ کشمیر، فلسطین، تاجکستان اور بوسنیا اس کی نمائیں مشاہیں ہیں حتیٰ کہ مسلم ممالک جیسے تیونس، الجزاير، ترکی اور مصر میں بھی دینی قوتوں کو کچلا جا رہا ہے۔ طاقت کے مل بوتے پر دینی جذبات رکھنے والے افراد کو جن جن کر کچلا جا رہا ہے، انہیں حیلوں میں بھی بھیجا جا رہا ہے، ان کا قتل بھی ہو رہا ہے اور ان کے خلاف دہشت گردی کے اڑامات کی بوچھاڑ کی جا رہی ہے۔ خود پاکستان میں بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ علماء حق کو جن کا فرقہ واریت سے کوئی تعلق نہیں، دہشت گردی سے دور کا واسطہ نہیں، جن کی کوششیں ہمیشہ اتحاد میں اسلامیین کے لئے وقف رہی ہیں، انہیں بھی جن چن کر قتل کیا جا رہا ہے۔ ان حالات میں بہت سے لوگوں کے حوصلے ٹوٹنے لگتے ہیں لیکن یہ اوپر کی سطح ہے۔

آپ میں سے بہت سے حضرات نے سمندر دیکھا ہوگا کہ اس کی اوپر کی سطح میں موجودوں کا ایک طوفان برپا ہوتا ہے لیکن اندر اندر ایک موج ان کے مقابلہ سمت چلتی ہے۔ اوپر کی موجودیں ٹھنڈے پانی کی ہوتی ہیں، نیچے کی لہر گرم پانی کی ہوتی ہے۔ بالکل اس وقت عالم اسلام کا حال یہی ہے۔

انقلاب اسلام کی لہر

الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے مجھے تقریباً پوری دنیا میں گھونٹنے کا موقع دیا۔ اور یہ گھونٹنا صرف تفریغ کے لئے نہیں تھا بلکہ وہاں کے حالات کا جائزہ لینے کا موقع ملا ہے۔ مختلف طبقات زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے ملنے اور مختلف معاشروں کو دیکھنے کا موقع ملا ہے، اس کے بعد یہ کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی اوپر کی سطح تزوہ ہے جو میں نے اوپر بیان کی لیکن اس پوری دنیا کے اندر ایک لہر ہے "انقلاب اسلام" کی جوان حوادث کے نیچے نیچے چل رہی ہے۔ اور یہ مصائب اور آلام ہیں جو عالم اسلام پر رس رہے ہیں لیکن نیچے انقلاب اسلام کی ایک طاقتور اور بے تاب اور ناقابل شکست لہر ہے۔

یہ لہر اٹھی ہے افغانستان سے، روں نے عالم اسلام کے تقریباً ۲۹ ممالک کو ہڑپ کیا تھا، جس میں یورپ، ایشیا اور وسطیٰ ایشیا کے ممالک شامل ہیں۔ اس نے سوچا کہ چلو تیساں ملک بھی شکار کر دالوں اور اس کی شامت اعمال اسے افغانستان کے پہاڑوں میں لے آئی۔ اللہ تعالیٰ نے افغانستان کے مجاہدین کو یہ اعزاز بخششا کہ گیارہ سال کے صبر آزم جہاد کے نتیجے میں جو پتھروں اور ڈنڈوں سے شروع تھا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغ نے یہ کرشمہ دکھایا۔ یہ طلبہ، یہ مسجدوں کے مؤذن، یہ مسجدوں کے امام اور مدرسوں کے مدرس جن کو دنیا کے اندر حقیر ترین مخلوق سمجھا جا رہا تھا، جب یہ خالی ہاتھ ہونے کے باوجود روں کے ٹینکوں، گن شپ ہیلی کاپڑوں اور ان کے بمبار طیاروں کے مقابلے میں نبردازما ہوئے تو دنیا کی سپر طاقت لکڑے لکڑے ہو گئی اور افغانستان اس کے لئے قبرستان بن گیا۔

پندرہ لاکھ مجاہدین افغانستان نے اپنا خون دیکر اس طوفانِ دروکا، پاکستان کے مجاہدین کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق دی ہے کہ انہوں نے ان سے بہتے ہوئے خون میں اپنا خون شامل کیا اور ان کے علاوہ عالم اسلام کا شاید ہی ووئی ملک ایسا ہو گا جس کے شہداء کی قبریں وہاں موجود نہ ہوں۔

مغربی ممالک میں اسلامی لہر

یہ انقلاب کی لہر ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ امریکہ میں جائیں تو وہاں بہت سے پاکستانی بلکہ اکثر پاکستانی جن کو ہم یہاں داڑھی منڈاد کیھتے تھے، نمازوں کے لئے مسجد میں نہیں آتے ہیں، وہاں ان کی داڑھیاں ہیں، مسجدوں میں صفا اول کے نمازی ہیں اور وہ عورتیں جو یہاں پر دہنہیں کرتی تھیں، وہاں پر دہ کر رہی ہیں۔ برطانیہ میں جاؤ، وہاں یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ یہ وہی کفرستان ہے جس نے پورے عالم اسلام پر یلغار کی تھی اور اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا، آج وہاں اذا نیں گونج رہی ہیں۔ ایک ہزار سے زیادہ مسجدیں ہیں، مکاتب قرآنیہ اور دارالعلوم ہیں۔ آج سے پچاس سال پہلے وہاں برلن کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا، آج وہاں جگہ جگہ مسلمان عورتیں برقدح پہننے نظر آتی ہیں، بلکہ بغیر برقدح والی کم اور برقدح والی زیادہ ہوتی ہیں۔ وہ پیرس (فرانس) جو کہ کفر و شرک اور عیاشی کا مشہور مرکز ہے۔ وہاں اسلامی انقلاب بہت زیادہ صاف نظر آ رہا ہے۔ وہاں کی صورت حال یہ ہے کہ روزانہ اوسطاً سو لے افراد مسلمان ہو رہے ہیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب جو ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پاکستان میں خاص رفیق کا رہتھے، پھر وہ بھارت کے فرانس چلے گئے۔ وہیں ڈیرہ ڈالا۔ آپ یورپ کی تقریباً ایک درجن زبانوں کے ماہر تھے۔ انہوں نے علمی رنگ میں اسلام کا کام کیا۔ ان کے ہاتھ پر ہزاروں لوگ مشرف باسلام ہوئے۔ وہ فرماتے تھے کہ جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں، ان میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے، جو خفیہ طور پر مسلمان ہوئے

تھے۔ ان میں کروڑ پتی اور ارب پتی لوگ بھی ہیں اور بڑے بڑے افران بھی، اسے بیلیوں کے اراکین بھی ہیں اور صنعتکار بھی، تعلیمی اداروں کے سربراہ بھی ہیں اور پادری بھی۔ برطانیہ، امریکہ، کینیڈا اور فرانس میں یہ صورتحال ہے کہ عیسائی اپنے چرچ فروخت کر رہے ہیں اور مسلمان ان سے خرید کر وہاں مسجدیں اور مدرسے بنارہے ہیں۔

اسلام کا خاص مزاج

مجھے کسی نے یہ بتایا کہ کسی نے فرانس کے کسی وزیر سے کہا کہ آپ کے ہاں اسقدر تیزی سے اسلام پھیل رہا ہے کہ یہ اندیشہ ہے کہ یہاں جلد ہی اکثریت مسلمانوں کی ہو جائیگی تو ایسی صورتحال میں آپ کیا کریں گے۔ اس نے جواب دیا کہ پھر میں بھی مسلمان ہو جاؤں گا۔ امریکی صدر بلکنشن نے بار بار کہا ہے کہ امریکہ میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا نہ ہب اسلام ہے۔ اسلام کا ایک خاص مزاج ہے۔ وہ یہ کہ:

اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دو گے

عالم کفر نے جتنا زیادہ مسلمانوں کو کھلنے کی کوشش کی، مسلمان اتنے ہی زیادہ ابھر رہے ہیں۔ یہ انقلاب ایک عالمگیر اور طاقتور لہر ہے۔ یہ ایک صورتحال ہے جسے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔

اس وقت تعلیم تو دینی مدرسوں میں ہے

ادھر ہمارے پاستان کے نظام تعلیم کا حال یہ چلا آ رہا ہے کہ ہمارے ناعاقبت انڈیش حکمرانوں نے اسلامی نظام تعلیم کو برپا نہیں ہونے دیا۔ وہی فرسودہ اور سیکولر نظام تعلیم جو انگریزی دور سے چلا آ رہا تھا، اسی کو چلا رہے ہیں اور اب اس نظام تعلیم کا حال بھی یہ ہے کہ اس کے اداروں میں تعلیم ہی ختم ہو گئی۔ نہ قدیم تعلیم رہی نہ جدید رہی۔ نہ اچھی رہی اور نہ بُری رہی۔ نہ دین کی رہی اور نہ دنیا کی رہی۔

ایک لطیفہ یاد آیا۔ ایک صاحب نے کسی کا تعارف کرتے ہوئے کہا کہ یہ افغانستان کے ریلوے کے وزیر ہیں۔ مخاطب نے حیران ہو کر کہا کہ وہاں تو ریلوے کا نظام ہی نہیں تو ریلوے کے وزیر کیسے! تو وہ کہنے لگا کہ جب آپ کے ہاں تعلیم کے بغیر وزیر تعلیم ہو سکتا ہے تو وہاں ریلوے کے بغیر وزیر ریلوے کیوں نہیں ہو سکتا۔

سرکاری اداروں میں تعلیم نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ مدارس کے اندر طلبہ کو سنبھالنے کی جگہ نہیں۔ سکولوں اور یونیورسٹیوں سے پیزار ہو کر والدین اپنے بچوں کو دینی مدرسوں میں بھیج رہے ہیں۔ کچی بات یہ ہے کہ اس وقت اگر تعلیم ہو رہی ہے تو دینی مدرسوں میں ہو رہی ہے۔

یہ بڑا سائنسیک طریقہ ہے

ایک مرتبہ میں ایک مینگ میں شریک تھا۔ جس میں تعلیم کے حوالے سے بڑے بڑے سرکاری عہدیداران اور ماہرین موجود تھے۔ اس مجلس میں سیکڑی وزارت تعلیم مجھ سے کہنے لگے کہ آپ کے ہاں جو طریقہ ہے ”تکرار“ کا۔ یہ بڑا سائنسیک طریقہ ہے۔ یہ ہمارے ہاں نہیں ہو رہا البتہ امریکہ والے اسے اختیار کر رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہمارے ہاں یہ طریقہ صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ کہنے لگے کہ ایک بات ہے ”وہ یہ کہ آپ کے طلبہ صحت کے بارے سے کمزور ہوتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اور تو کچھ جانتا نہیں، البتہ آپ کشتی لڑا لیجئے۔ پھر پتہ چل جائے گا کہ مدرسوں کے لڑکے زیادہ کمزور ہوتے ہیں یا سرکاری اداروں کے لڑکے۔

اب غور کیجئے کہ عالمی صورتحال وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی اور ہمارے ملک کی تعلیمی صورتحال یہ ہے کہ سرکاری اداروں میں تعلیم نہ ہونے کے برابر ہے۔ لوگوں کا روحانی دینی مدارس کی طرف بڑھ رہا ہے اور سرکاری اداروں کا نظام تعلیم ناکام ہو رہا ہے ان حالات میں دینی مدرسوں کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

دینی مدارس، حفاظت دین کے قلعے

دینی مدرسے درحقیقت دین کی حفاظت کا قلعہ ہیں۔ افغانستان میں برسر حکومت وہی لوگ تھے جیسے ہمارے پاکستانی حکمران۔ یہ انگریز کے زیر اثر ہیں اور وہ روس کے زیر اثر تھے۔ انہوں نے خود روس کی فوجوں کو آنے کی دعوت دے دی تھی لیکن یہ مدرسوں کے طلبہ، خانقاہوں کے بزرگ اور مسجدوں کے امام تھے جنہوں نے اپنے حکمران کا بھی مقابلہ کیا اور روئی طاقت کا بھی مقابلہ کیا۔ الحمد للہ، ہمارے پاکستان میں بھی یہ مدارس دین کی حفاظت کا قلعہ بنے ہوئے ہیں۔ روکھی سوکھی کھا کر دارالعلوم دیوبند کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش میں نہیں۔

مکاتب قرآنیہ کا ایک خاص اثر

میرا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ جو شخص مکاتب قرآنیہ میں ایک مرتبہ قرآن مجید پڑھ لیتا ہے خواہ ناظرہ پڑھا ہو یا حفظ یاد کیا ہو، ایسے شخص کا ایمان محفوظ ہو جاتا ہے۔ وہ کیسے ہی فتن و فجور کے ماحول میں چلا جائے، اس کے اعمال خراب ہو سکتے ہیں لیکن اس کا عقیدہ نہیں جاتا، ایمان دل میں جاگریں ہو جاتا ہے۔

ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں اس بات کا مشاہدہ کرتا تھا کہ جن وزیروں سے اسلامی قانون اور اسلامی نظام تعلیم کے بارے میں بحثیں ہوتی ہیں، ان میں کچھ لوگ تو وہ ہیں جو بالکل بد دین سے معلوم ہوتے ہیں اور کوئی وعظ و نصیحت کی بات قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگرچہ بات تو نہیں مانتے لیکن بحث نہیں کرتے اور اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ صحیح بات آپ کی ہے لیکن ہم فلاں فلاں مجبور یوں کی وجہ سے ایسا نہیں کر رہے۔ ہم غلطی کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ پہلی قسم کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے کبھی کسی مکتب قرآنی میں نہیں پڑھا اور دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے کسی مکتب قرآنی میں پڑھا ہے۔

تَزْكِيَّةُ کا کام بھی ضروری ہے

قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ ﴿يَتَلَوَ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ﴾ (قرآن مجید کے الفاظ کی تعلیم)

۲۔ ﴿وَبُرْزَغَيْهِمْ﴾ (اعمال و اخلاق اور عقائد کا تذکیرہ کرنا)

۳۔ ﴿وَعِلْمُهُمُ الْكِتَاب﴾ (معنی قرآن کی تعلیم دینا)

۴۔ ﴿الْحُكْمَةُ﴾ (اور حکمت و دانائی کی بتائی سکھانا)

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں پر حکمت سے مراد "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ زندگی۔

الحمد للہ یہ کام ہمارے دینی مدارس میں ہو رہے ہیں۔ الفاظ قرآن کی تعلیم کے لئے خاص ہیں مکاتب قرآنیہ اور معانی قرآن اور حکمت کی تعلیم کے لئے درس نظامی کے مدارس۔ لیکن یاد رکھئے کہ کوئی دینی مدرسہ اس وقت تک جامع دینی مدرسہ نہیں کھلا سکتا جب تک اس میں "تذکیرہ" کا کام نہ ہو۔ آج کل "تذکیرہ" کا کام عام طور پر خانقاہوں میں ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ نہیں تھا کہ الفاظ و معانی قرآن تک ایک جگہ سے یکھے لیکن تذکیرہ کے لئے کہیں جانا پڑتا تھا، بلکہ سب کام ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔ اس لئے ہمیں اپنے بچوں کو ان مدارس میں الفاظ اور معانی قرآن کی تعلیم بھی دینی ہے اور قرآن و سنت کے مطابق ان کی عملی تربیت بھی کرنی ہے۔

آپ کے ہاں الحمد للہ، مکاتب قرآنی قائم ہیں اور اب ایک درس نظامی کا مدرسہ بھی شروع ہو رہا ہے۔ یہ آپ پر بھاری ذمہ داری عائد ہو رہی ہے۔ اس کے اندر آپ دامے، درسے، خنے جس طریقے سے بھی تعاون کر سکتے ہیں، تعاون کریں۔ جہاں بھی کوئی دین کا کام ہو رہا ہو، وہاں تعاون کرنا چاہئے۔

مدرسے کی اصل ضرورت

اصل بات یہ ہے کہ مدرسہ قائم ہونے کے لئے عمارت کی ضرورت تو بعد میں پیش آتی ہے۔ سب سے پہلے تو ایک استاد اور ایک طالبعلم کی ضرورت ہوتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کا آغاز اس طرح ہوا تھا کہ ایک استاد تھا اور ایک شاگرد۔ دیوبند بستی میں چھتے کا محلہ تھا۔ بہت پرانی ایک مسجد تھی۔ اس میں ایک انار کا درخت کھڑا ہوا تھا۔ اس کے نیچے سبق شروع ہوا۔ استاذ کا نام بھی محمود تھا، شاگرد کا نام بھی محمود۔ شاگرد وہی ”مودود الحسن“ جو بعد میں شیخ الحنفہ بنے۔ انہوں نے ”ریشمی رومال“ کی تحریک چلانی تھی اور انگریزی حکومت کا تختۃ اللہ کا سارا منصوبہ تیار کر لیا تھا۔ عظیم الشان ولی اللہ، اعلیٰ درجے کے مفسر، اوپرے درجے کے فقیہ، عظیم الشان محقق، حکیم الامم حضرت تھانویؒ کے استاذ، ہمارے والد صاحبؒ کے مرشد شیخ الحنفہ حضرت مولانا ”مودود الحسن“ نے یہ تعلیم اس وقت حاصل کی جب وہاں عمارت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ پھر الحمد للہ، عمارتیں بھی بنیں اور پوری دنیا میں اس کا فیض پہنچا۔

آپ حضرات سے بھی بھی گزارش کرو گا کہ آپ جو مدرسہ قائم کر رہے ہیں، انشاء اللہ اس کے لئے بھی بڑی جگہ کی ضرورت پیش آئے گی البتہ اس سے پہلے ماہر اور متقدم اساتذہ کی ضرورت ہے۔ اگر اساتذہ ماہر، پہنچنے کا اور بزرگوں کے تربیت یافتہ ہوں تو اس سے مدرسہ حقیقی ترقی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق کا مل عطا فرمائے۔ (آمين)

وآخر دعوانا أَنِّ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝



مَوْرِيшиَنْ مِيزِ إِنْسَلَامِ مِنْ حَالَاتْ
أُورَقَتْ كَاتَقَاضَا

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: سوریش (جنوبی افریقہ)
ترتیب و عنوان: اعجاز احمد صہانی

موریش میں اسلامی حالات اور وقت کا تقاضا

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد لله نحمدُه و نستعينُه، و نستغفِرُه و نومن
بِه و نتوكِلُ عَلَيْهِ و نعوذ باللهِ مِن شرورِ انفسنا و مِن
سَيِّئاتِ اعْمَالِنَا . مِن يَهْدِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ و مِن
يَضْلِلُهُ فَلَا هَادِي لَهُ و نَشَهَدُ أَن لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشَهَدُ أَن سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا
مُحَمَّداً عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى
آلِهِ وَصَحْبِهِ اجْمَعِينَ.﴾

اما بعد:

﴿قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ﴾

(ابن ماجہ، رقم المحدث: ۲۲۳، مجمع الزوائد، کتاب العلم، باب طلب العلم ج ۱ ص ۱۱۹، من دائیٰ بعلیٰ

ن ۷۶، رقم المحدث: ۳۰۳۵)

آپ عالم اسلام سے بہت دور ہیں

بزرگانِ محترم اور برادران عزیز!

مکن ہے کہ آپ یوں سمجھ رہے ہوں کہ میرا وعظ روایتی اور رسمی قسم کا وعظ ہوگا لیکن میں رسمی قسم کی باتیں کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ میرے بزرگوں نے مجھے یہ تعلیم دی ہے کہ جب کہیں لوگوں سے خطاب کرنے کا موقع ملے تو جہاں زخم ہو، وہاں مرہم لگاؤ، اور اس مقام پر مسلمانوں کی جو دینی ضرورتیں ہیں، ان کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلاؤ۔

آپ دنیا کا نقشہ اٹھا کر اس میں ماریش کو دیکھیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ پورے عالم اسلام اور عرب ممالک سے بہت دور یہ ایک جزیرہ ہے جس کے اندر آپ آباد ہیں۔ جہاں علم دین ہے اور جہاں اسلام کی حکومت ہے، وہاں سے آپ بہت دور دراز کے علاقے میں آباد ہیں۔ اس دور دراز علاقے میں اسلام مکہ اور مدینہ سے آیا تھا اور جن قربانیوں سے آیا تھا، مسلمانوں کو چاہئے کہ اس پر بھی نظر رکھیں۔

براعظم افریقہ میں اسلام کیسے پہنچا؟

براعظم افریقہ میں اسلام کا پیغام کس طرح پہنچا؟ اس کی طویل داستان ہے، لیکن میں اس میں سے ایک چھوٹا سا واقعہ آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ براعظم افریقہ کے بعض ممالک میں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام آگیا تھا لیکن اس کے بعد اسلام کے مجاہدین، مبلغین اور اسلام کے خدام، جو اس وقت صحابہ کرام تھے، اللہ کا پیغام لے کر افریقہ کے ممالک میں دور دراز تک بڑھتے چلے گئے، اسلام کی فتوحات کا پرچم گام بگام اور ملک درملک لہراتے ہوئے لیبیا، تیونس، الجزاير اور مراکش تک جا پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی اور اسلامی شکر کے جو نیل حضرت عقبہ بن نافع جب اپنا شکر لے کر تیونس کے قریب پہنچے ہیں تو اس وقت انہیں احساس ہوا کہ ہم اپنے مرکز سے بہت دور نکل آئے ہیں۔

یہاں پہنچنے کے بعد ان کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ ہمیں ایک چھاؤنی قائم کر لینی چاہئے جہاں مجاہدین کو تربیت بھی دی جائے، سامان جہاد بھی جمع رکھا جائے اور مسلمانوں کی با حفاظت رہائش کا انتظام بھی کیا جائے۔ اس چھاؤنی کے قائم کرنے کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب کرنا تھا کہ اس کا محل وقوع صحت کے لئے بھی مفید ہو، حمل و نقل بھی آسان ہو اور دشمن سے حفاظت بھی زیادہ بہتر انداز میں ہو سکے۔ لشکر میں موجود بعض مجاہدین جو اس قسم کے معاملات میں ماہر تھے، انہوں نے اس مقصد کے لئے ایک بڑے جنگل کا انتخاب کیا۔ لیکن وہ جنگل درندوں، بچھوؤں، سانپوں اور اڑوھوں سے بھرا پڑا تھا۔ حضرت عقبہ بن نافع ”نے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اس جنگل میں چھاؤنی بنانے کا فیصلہ کیا۔

ای علاقے کے نئے نئے مسلمانوں نے حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ہمدردی اور خیر خواہانہ طریقے سے درخواست کی کہ آپ یہاں چھاؤنی بنانے کا ارادہ نہ کریں کیونکہ اس جنگل میں اتنے اڑدھے اور درندے ہیں کہ مجاہدین اسلام کے لئے یہاں ایک دن بھی ظہر نا ممکن نہیں ہوگا اس لئے یہاں کے بجائے کسی اور جگہ کا انتخاب کیا جائے لیکن حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرے جرنیلوں نے اس جگہ کو سب سے زیادہ موزوں قرار دیا ہے اور ہم اس جنگل میں اپنی ذاتی غرض کے لئے چھاؤنی قائم نہیں کر رہے بلکہ اللہ رب العالمین کے رسول کا پیغام پہنچانے کے لئے نکلے ہوئے ہیں، لہذا یہ درندے ہمیں اس کام سے نہیں روک سکتے اور آؤ آج تم میرے ساتھ اس جنگل میں چلو اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو۔

چنانچہ حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ مجاہدین اسلام کا لشکر اور مقامی آبادی کے بعض مسلمانوں کو لے کر اس جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ بعض کافر لوگ بھی تماشہ دیکھنے کے لئے ساتھ ہو گئے۔ اس جنگل کے قریب ایک میلہ تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد حضرت عقبہ ”اس میلے پر چڑھ گئے اور وہاں چڑھ کر خطاب شروع کیا۔ یہ خطاب انسانوں سے نہیں تھا

بلکہ شیروں، اژادوں اور خونخوار بھیڑیوں اور چیتوں سے تھا۔ آپ نے کہا:

”اے اس جنگل کے درندو! ہم بالکل جاہل تھے، اللہ نے ہمارے اندر اپنے آخری رسول کو مبعوث کیا، اس نے ہم تک دین اسلام کا پیغام پہنچایا اور اس رسول نے ہم کو یہ حکم دیا کہ اللہ کے اس پیغام کو دنیا کی تمام اطراف میں پہنچا دو۔ ہم اللہ کے رسول کے بھیجے ہوئے لشکر ہیں۔ مجاہدین اسلام اپنے وطنوں سے بہت دور نکل آئے ہیں، ان کو یہاں پہنچنے کے لئے چھاؤنی بنانے کی ضرورت ہے، ہم اپنے اقتدار کے لئے نہیں، اپنی حکومت کے لئے نہیں، مال و دولت کے لئے نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کا پیغام پہنچانے کے لئے نکلے ہیں۔ مجاہدین اسلام کا یہ لشکر تمہارا مہمان ہے، اس اسلامی لشکر کو تمہارے جنگل کی ضرورت ہے اور میں تم کو اللہ کے بھروسے پر یہ حکم دیتا ہوں کہ بارہ گھنٹے کے اندر اس جنگل کو خالی کر دو ورنہ اس کے بعد جو جانور بھی یہاں نظر آئے گا، قتل کر دیا جائے گا۔“

یہ خطاب کر کے حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ اس میلے سے نیچے اترنے نہیں پائے تھے کہ پورے جنگل میں بھگڑڑچ چکلی تھی۔ شیرنی اپنے بچوں کو سینے سے پٹائے ہوئے بھاگی جا رہی تھی۔ باقی اور ہتھنی اپنے خاندان کو لے کر دوڑ رہے تھے، سانپنی اپنی سپولیوں کو لے کر تیز تیز نکل رہی تھی، عقبہ بن نافع نے بارہ گھنٹے کا نوش دیا تھا، جنگل چار گھنٹے میں خالی ہو گیا۔ لشکر اسلام وہاں پہنچا، وہاں ایک شہر تعمیر ہوا۔ آج بھی وہ شہر موجود ہے، اس کا نام ہے ”قیروان“۔ یہاں کی مشہور جامع مسجد کی تصویریں آج بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ الحمد للہ، آج بھی افریقہ کے ممالک میں اسلام نظر آتا ہے اور یہاں کے میناروں سے اللہ اکبر کی صدائیں گونجتی سنائی دیتی ہیں۔

ہمارے موجودہ حالات خطرے کا الارم ہیں

میں آپ کی توجہ اس طرف دلانا چاہتا ہوں کہ وہ ہمارے آباء اجداد تھے جنہوں نے اتنی مصیبتیں جھیل جھیل کر جان کی بازیاں لگا لگا کر اور قربانیاں دے دے کر یہاں تک اسلام پہنچایا لیکن اس وقت ہمارے حالات جو میں دیکھ رہا ہوں، وہ خطرے کا الارم ہیں اور اس اندیشے کو پیدا کر رہے ہیں کہ کہیں خداخواستہ ہم اپنے اسلاف کی لائی ہوئی اس امانت کو اپنی نسلوں سے ناپید نہ کر دیں۔

دو خطرے

مجھے یہاں دو چیزوں کے بارے خطرہ ہے۔ ایک یہ کہ میں یہاں یہ دیکھ رہا ہوں کہ الحمد للہ، یہاں کے لوگ مسجدوں میں آتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں لیکن یہاں کے عوام کی علم دین کی طرف کوئی توجہ اور دلچسپی نہیں ہے۔ اول تو یہاں مدرسے ہی بہت کم ہیں اور جو مدرسے قائم ہوئے ہیں، وہاں پڑھنے کے لئے بچے نہیں آتے۔ یہ اتنی خطرناک بات ہے کہ اگر یہ سلسلہ جاری رہا اور اس ملک میں اعلیٰ دینی تعلیم و تربیت کا کوئی مدرسہ قائم نہ ہوا اور ابتدائی تعلیم کے مدرسون میں ہمارے بچوں نے ناظرہ و حفظ اور ضروری دینی تعلیم حاصل نہ کی تو ایک یادوں میں گزرنے کے بعد جو لوگ آئیں گے تو شاید انہیں یہ بھی یاد نہ رہے کہ ہمارے آباء اجداد مسلمان تھے یا عیسائی، ہندو تھے یا کمیونٹ۔

اس پر مزید خطرناک صورتحال یہ ہے کہ اسلامی معلومات اور اسلامی مسائل عربی اور اردو زبان کی کتابوں میں بہت زیادہ ہیں۔ اگر کوئی عربی یا اردو جانتا ہو تو ان کا مطالعہ کر سکتا ہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں عربی جانے والے بھی نہیں ہیں اور اردو جانے والے بھی نہیں بلکہ گجراتی جانے والے بھی اب نہیں رہے۔ ان حالات میں اس نسل کیلئے اسلام کو تجھے اور جانے کا کوئی ذریعہ مجھے نظر نہیں آ رہا۔

ایک اور خطرناک بات

اس پر ایک صورتحال اور خطرناک ہے۔ وہ یہ کہ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے، اس میں مسلمانوں کی اقلیت ہے۔ اس کے باوجود آپس میں بھوث، اختلاف اور افتراق ہے۔ کہیں دیوبندی اور بریلوی کے جھگڑے ہیں، کہیں مقلد اور غیر مقلد کی عصیتیں ہیں، کہیں گجراتی اور بھارتی کے درمیان کشکش ہے، کہیں سیاسی پارٹی بندیاں ہیں۔ ان حالات میں بتائیے کہ آپ نے آنے والی نسلوں کے لئے کیا سوچا؟

یہی حالات اپین کے تھے

یہی وہ حالات تھے جو اپین (اندلس) میں پیدا ہوئے۔ وہاں اسلام کی عظمت کا پرچم تقریباً آٹھ سال تک لہر اتا رہا اور اسلام کا اقتدار ایسا پھیلا ہوا تھا کہ تقریباً آدھا فرانس بھی ان کے زیر اقتدار تھا، یورپ کی بڑی حکومتیں امیر المؤمنین کو پیشکش کرتی تھیں کہ ہماری بیٹیوں سے شادی کر لیں، لیکن جب وہاں کے مسلمانوں میں وہ حالات پیدا ہوئے جو میں اپنی آنکھوں سے ماریش میں دیکھ رہا ہوں کہ علم دین سے دور، باہمی افتراق و انتشار، ان میں برابری اور اندلسی جھگڑے تھے، عصیت تھی، عیش و عشرت تھی، مال و دولت کی فراوانی نے ان کو مدھوش کر دیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تعلیمات کو فراموش کر دیا، اللہ کی یاد سے غافل ہوئے تو اللہ کا عذاب ان پر نازل ہوا۔ اور اللہ کا عذاب ایسا آیا کہ آج پوری سر زمین اندلس پر ایک مسلمان وہاں کا مقامی نظر نہیں آتا۔ وہاں کی جامع مسجد قرطہ آج بھی موجود ہے لیکن مسجد کے بینارے اور اس کی محراب ”اللہ اکبر“ کی آوازوں کے لئے ترس رہے ہیں۔ وہ اپین جس کی فضاؤں میں دن میں پانچ مرتبہ اذانوں کی آوازیں گونجا کرتی تھیں، وہاں اذانیں خاموش ہو چکی ہیں۔

دو کام ناگزیر ہیں

اگر آپ چاہتے ہیں کہ ماریش میں آپ کی نسلوں کے ساتھ وہ عمل نہ ہو اور یہاں وہ حالات پیدا نہ ہوں جو اپنے میں پیدا ہو گئے تھے تو آپ کو دو کام کرنے ناگزیر ہیں۔ اگر نہیں کریں گے تو سخت گنگاہار ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوں گے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کا عذاب آ کر رہے گا۔

۱۔ ایک علم دین کی طرف پوری توجہ

۲۔ دوسرے، اتحاد

بہتر تو یہ ہے کہ اپنے بچوں کو قرآن مجید حفظ کرائیں لیکن اگر کسی کے اندر اتنی ہست نہیں ہوتی تو کم یہ تو فیصلہ کر لیں کہ اپنا کوئی بچہ اور کوئی بچی ایسی نہیں چھوڑیں گے جو قرآن کریم دیکھ کر پڑھنے والا نہ ہو اور دین کے ضروری مسائل جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور طہارت وغیرہ کے مسائل سے واقف نہ ہو۔ ان دونوں چیزوں کی تعلیم ایسی ہوئی چاہئے کہ ماریش کا کوئی بچہ بلکہ کوئی مرد اور کوئی عورت بھی اس سے خالی نہ رہے اور یہ بھی کافی نہیں بلکہ یہاں ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ یہاں ماہر علماء کی ایسی تعداد ہو جو دینی مسائل میں قوم کی معقول رہنمائی کر سکے۔ اور ایسے علماء کو تیار کرنے کے لئے یہیں پر ایک مدرسہ قائم کیا جائے۔ اس دارالعلوم کے قیام کے لئے آپ کو موجودہ علماء کی خدمات حاصل کرنا پڑیں گی۔ انہی کی رہنمائی سے ایسا دارالعلوم قائم ہو سکتا ہے۔ الحمد للہ، ایک دارالعلوم کا کام ابتدائی مرحلے میں شروع بھی ہو چکا ہے لیکن مجھے پتہ چلا ہے کہ وہاں پڑھنے کے لئے بچے نہیں آئے۔ اگر آپ اپنے بچوں کو قرآن مجید نہیں سکھائیں گے تو کیا ہندو اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھوائیں گے؟ بدھ مت اپنے بچوں کو عالم بنائیں گے؟ یہ قرآن و حدیث کا علم ہمارے لئے ہے یا کافروں کے لئے۔ اسے کون پڑھے گا اور کون پھیلائے گا۔

آپ کا فریضہ ہے کہ اپنے بچوں کو دینی مدرسوں میں داخل کرائیں، ابتدائی تعلیم تو

سب کو دواں میں اور اولاد میں جو سب سے زیادہ ہیں ہوا ورسب سے زیادہ تدرست ہو اسے پورا عالم دین بنانے کیلئے پاکستان بھیجیں۔ الحمد للہ، کراچی میں ہمارا ایک بہت بڑا تعلیمی ادارہ ہے ”دارالعلوم کراچی“۔ اگر آپ اپنے ہونہار لڑکوں کو قرآن شریف یہاں پڑھوانے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے وہاں بھیجیں گے تو ہم ان کو خوش آمدید کہیں گے اور انہیں داخلہ دیں گے، ہمارے یہاں طلبہ کے لئے رہائش اور کھانا کا بھی جامعہ کی طرف سے انتظام ہوتا ہے۔

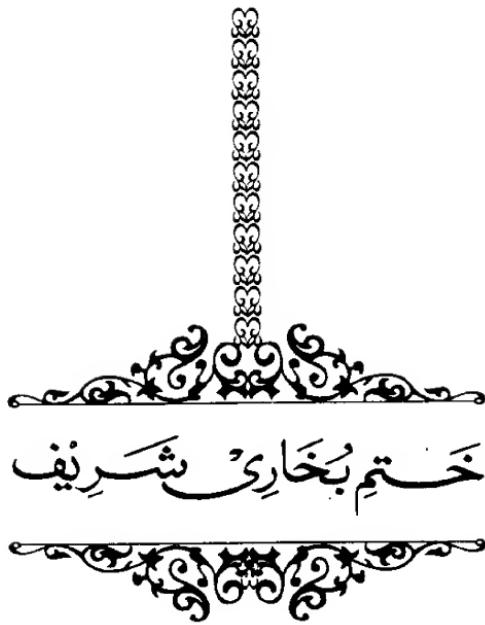
میں یہ چاہتا ہوں کہ وہاں سے اچھے عالم بن کرو اپس آئیں اور یہاں پر دینی ادارہ دارالعلوم قائم کریں اور پھر یہیں پر اچھے علماء قائم ہونے لگیں۔

پہلا کام تو علم دین کے پھیلانے سے متعلق ہا، جس کی تفصیل میں نے عرض کی۔ دوسرا کام ”اتحاد پیدا کرنے کی ضرورت“ ہے۔ جو مسلمان کوئی بھی مسلک رکھتا ہے، دیوبندی ہو، یا بریلوی، اہمدیت ہو یا حنفی، اپنے مسلک پر عمل کرے لیکن دوسروں سے لڑائی جھگڑا نہ رہے۔ اس سلسلہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا بڑا بہترین ارشاد ہے جو سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہے، فرماتے تھے ”اپنا مسلک چھوڑو نہیں، دوسروں کا مسلک چھیڑو نہیں“، اور اجتماعی کاموں میں ہر مکتبہ فکر اور ہر علاقے کے مسلمان متحد ہو کر اجتماعی جدوجہد کریں مثلاً اس وقت آپ کے ہاں ایک بڑا اہم مسئلہ ”مسلم پرنسل لاء“ کا ہے۔

اس مقصد کے اندر آپ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک آپ کا باہمی انتشار اور افتراق ختم نہ ہو۔ اگر دیوبندی بریلوی کے خلاف، بریلوی دیوبندی کے خلاف، اہمدیت حنفی کے خلاف اور حنفی اہمدیت کے خلاف لڑتے رہے تو آپ نہ مسلم پرنسل لاء کے مقاصد کو حاصل کر سکیں گے اور نہ دین کا کوئی اور مقام حاصل کر سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اپنی ذمہ داریوں کو احسن انداز میں نبھانے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

﴿وَآخِرَ دُعَوَانَا أَنِّ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾



خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: جامع مسجد دارالعلوم کراچی (کورنگی)

تاریخ: ربیوب ۳۲۵ ہجری

شطب و ترتیب: مولانا عباز احمد صدیقی

﴿ ختم بخاری شریف ﴾

بزرگان محترم، حضرات علماء کرام، برادران عزیز، ہونہار عزیز طلباء اور طالبات و معلمات مدرستہ البنات، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، الحمد للہ آپ حضرات نے قرآن کریم کے بعد اس دنیا کی سب سے زیادہ عظیم کتاب اور سب سے زیادہ صحیح ترین کتاب صحیح بخاری کی آخری حدیث کا درس شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سے حاصل کیا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس درس کے وہ تمام فائدے عطا فرمادے جن کی اس عظیم درس کے ضمن میں توقع کی جاتی ہے۔

قبل اس کے کہ اپنی کچھ اور معرفوں پیش کروں، اپنے دورہ حدیث کے ہونہار طلباء کی ایک درخواست مجھے ملی ہے جس کا پس منظر یہ ہے کہ صحیح مسلم کا درس مجھ ناچیز سے متعلق ہے ہم نے درس تو پورا کر دیا اور اس کی پوری سند بھی طلباء کو بتا دی اور لکھوا دی، لیکن ان سے یہ وعدہ تھا شروع سال سے کہ صرف صحیح مسلم کی نہیں بلکہ جتنی کتب حدیث کی روایت کی اجازت مجھے اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے حاصل ہے یا جو کتب حدیث اور حدیثیں میں نے ان سے پڑھی یا سنی ہیں ان سب روایات اور مرویات کی اجازت بھی دوں گا، یہ وعدہ ان طلباء نے مجھ سے شروع سال سے لے رکھا تھا، لیکن جب مسلم شریف کا آخری درس ہوا تو یہ بات ذہن سے نکل گئی، طلباء نے بعد میں یادداہی اور اب انہوں نے دوبارہ یادداہی کرائی ہے کہ وہ وعدہ پورا کر دیا جائے، چنانچہ میں اللہ رب

العالمین کے بھروسے پر اپنے دورہ حدیث سے فارغ ہونے والے ان تمام طلباء کو جن کی تعداد اس سال الحمد للہ ۳۹۵ ہے اپنی تمام مسouات ملے مقرر و آتے ہیں اور مجازات گئی کی اجازت دیتا ہوں، ان تمام سندوں کے ساتھ جو مجھے بزرگوں سے ملی ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے لیے اور میرے لیے اس کو ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

تعلیمی سال کا اختتام:

یہ اللہ رب العالمین کا کرم اور احسان ہے کہ یہ سال جیسا پُرآشوب تھا دینی مدارس کے لیے، دینی اداروں کے لیے اور دینی شخصیات کے لیے اس سے پورا عالم اسلام مضطرب نہ، اور ہے، اللہ رب العالمین کا کرم اور احسان ہے کہ ہمیں اس پورے پُرآشوب سال میں اپنا کام جاری رکھنے کی وفیق عطا فرمائی، او، الحمد للہ آج ہمارے تعلیمی سال کا اختتام ہوا ہے، یہ تعلیمی سفر ایک سال کا آج ہم نے پورا کیا ہے، اللہ رب العالمین سے ہماری دعا ہے کہ اس کو قبول فرمائے اور یہ عزیز طلباء جو فارغ ہو کر اپنے گھروں کو چلے جائیں گے ان کو ہمارے لیے ذخیرہ آخرت اور صدقہ جاریہ بنائے۔

دوسرا ضاد جذبات:

یہ صحیح بخاری کے ختم کا دن عجیب و غریب جذبات کا دن ہوتا ہے، عظیم الشان خوشی اس بات کی ہوتی ہے کہ ہمارا تعلیمی سفر اس سال کا مکمل ہوا، ہم اپنی تعداد الحمد للہ درس نظامی کے سترہ سالانصاب سے فارغ ہو کر آج سرخونظر آ رہی ہے، اس کی سرست جی رُس : پے میں سرایت کی ہوئی ہوتی ہے جو جامعہ دارالعلوم کے پورے ماہول میں بہت نمایاں نظر آتی ہے، یہیں ساتھ ہی غم کے جذبات بھی اس دن اپنے عروج پر ہوتے ہیں، اس سال دورہ حدیث سے فارغ ہونے والے یہ طلباء جو آپ کے سامنے اس وقت

۱ سنی ہوئی حدیثیں۔ ۲ پڑھی ہوئی حدیثیں،

۳ وادا حادیث جن کی بغیر پڑھنے کا بردنے اجازت دی ہے۔

بیٹھے ہوئے ہیں ان کی تعداد ۳۹۵ ہے، اور جو طالبات دورہ حدیث سے فارغ ہوئی ہیں اس سال ان کی تعداد چوتیس ۳۴ ہے اور جو شخص فی الافاء سے فارغ ہوئے ہیں ان کی تعداد ۲۰ ہے، اس طرح الحمد للہ ۲۳۹ طلبہ اور طالبات اس سال تعلیمی سفر سے فارغ ہوئے ہیں، تو جب یہ اختتام کا وقت ہوتا ہے تو یہ طلباء جو یہاں کے درود یوار سے اتنے منوس ہوتے ہیں کہ اپنے گھروں سے زیادہ محبت ان کو یہاں کی درود یوار سے اور یہاں کی فضاؤں سے ہو جاتی ہے اور اپنے اساتذہ کے سایہ میں جو شفقت ان کو ملتی ہے، جو تربیت و تعلیم ان کو ملتی ہے وہ ان کے دلوں میں گہرائش بن کرتا ہیات ان کے ساتھ رہتی ہے، تو رخصت ہونے کا تصور ان طلباء کے لیے بھی جاں گداز ہوتا ہے اور ہم خدامِ دار العلوم کے لیے بھی یہ تصور بہت صبر آزماء ہوتا ہے کہ اپنے ان چھیتے بیٹوں کو اپنے ان معنوی بیٹوں کو جن میں سے بعض وہ بھی ہیں جو چودہ، پندرہ، سولہ سال سے ہمارے ساتھ ہیں، ایک بڑی تعداد ان کی بھی ہے جو آٹھ سال سے ہمارے پاس زیر تعلیم ہیں، آج ہم ان کو رخصت کر دیں گے، آج دنیا کے کسی اور طرح کے تعلیمی اداروں اور نظام تعلیم میں ان جذبات کا تصور نہیں کیا جا سکتا ان جذبات کو محسوس نہیں کیا جا سکتا جو ان طلباء کے جذبات ہوتے ہیں جامعہ سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو جانے کے وقت، اور جو اساتذہ کے جذبات ہوتے ہیں جامعہ سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو جانے کے وقت، اور جو اساتذہ کے جذبات ہوتے ہیں ان کو رخصت کرتے وقت، اس کا اندازہ صرف وہی حضرات کر سکتے ہیں جن کو ان دینی مدرسوں کے اندر پڑھنے پڑھانے کی سعادت اور لذت نصیب ہوئی ہو۔

ہر محبت کی لذت الگ ہے:

اللہ رب العالمین نے ہر محنت کی لذت الگ رکھی ہے، اولادی محبت کی لذت کچھ اور ہے، یہوی کی محبت کی لذت کچھ اور، ماں باپ کی محبت کی لذت کچھ اور ہے بہن بھائیوں کی محبت کی لذت کچھ اور، اسی طرح مریدوں کی محبت کی لذت کچھ اور ہے اور

شانگردوں کی محبت کی لذت کچھ اور، اس لذت کو نہ زبان سے بیان کیا جاسکتا ہے نہ تحریر میں لایا جاسکتا ہے، یہ طلباء ہم سے رخصت ہونے والے ہیں، ہماری دعا اور تمبا ہے کہ انہوں نے اس طویل مدت میں جو درس حاصل کیا ہے وہ درس زندگی بھر ان کا ساتھی رہے اور جن امیدوں اور تمناؤں کے ساتھ اساتذہ نے ان کی تعلیم و تربیت کی ہے وہ ان امیدوں اور تمناؤں پر پورے اتریں اور امت کو اس وقت جیسی قیادت کی ضرورت ہے اپنے آپ کو اس قیادت کے قابل بنائیں۔

فارغ التحصیل ہونے کا مطلب:

میں طلباء سے یہ کہنا چاہوں گا، اور درس کے دوران بھی یہ بات کہی گئی ہے کہ جب آپ فارغ التحصیل ہوتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آپ عالم دین بن گئے ہیں، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ آپ نے نصاب پورا پڑھ لیا ہے اور آپ کے اندر قوتِ مطالعہ پیدا ہو گئی ہے، جیسے کہ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ طلباء کے فارغ التحصیل ہونے کا اور ہمارا ان کو پڑھانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کے اندر اسلامی علوم و فنون میں قوتِ مطالعہ پیدا ہو جائے، جتنی علوم و فنون ہیں ان میں یہ مطالعہ کر سکیں، عربی زبان میں بھی اور اپنی اپنی زبانوں میں بھی،، درساً پڑھنے کی ضرورت نہ رہے، اب جتنا مطالعہ کرتے جائیں گے علم میں اضافہ ہو گا، جتنی تحقیق کریں گے، جتنی رسیرچ کریں گے، جتنا تدریس کا کام کریں گے، فتویٰ کا کام کریں گے، قضاۓ کا کام کریں گے، وعظ و نصیحت کا کام کریں گے جتنا کام کرتے جائیں گے تجربہ بڑھتا جائے گا، عالم دین بننے جائیں گے، اور ایک وقت آئے گا انشاء اللہ کہ آپ عالم دین ہوں گے، لیکن ابھی آپ اپنے آپ کو عالم نہ سمجھیں، عالم دین بننے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دی ہے، آج سے آپ کا سفر عالم دین بننے کے لیے ہو گا۔

فقہ باطن ابھی باقی ہے:

دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے فقه ظاہر حاصل کر لیا، ظاہری اعمال کے احکام سمجھ لیے، شریعت کے مسائل سمجھ لیے، اور الحمد للہ احادیث کا عظیم الشان ذخیرہ آپ کے ذہنوں میں اور آپ کے دلوں میں اتر گیا، لیکن باطنی فقہ، دل کی اصلاح، باطنی اعمال کی اصلاح، جس کا نام قرآن و سنت کی اصطلاح میں ”احسان“ ہے یہ کام ابھی باقی ہے، یہ کام کتابوں کے پڑھنے سے نہیں ہو سکتا، اسباق پڑھنے سے نہیں ہو سکتا، یہ مطالعے اور درس سے نہیں ہو سکتا، اس کا تعلق صرف تربیت سے ہے، تربیت حاصل کریں، کسی مصلح کی خدمت میں رہ کر، کسی شیخ کی صحبت میں رہ کر، اپنے نفس کو منا کر، اپنے آپ کو اس شیخ کے اس طرح پرورد کر دیں کہ ”کالمیت فی یہ الدجال“ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہی الفاظ فرمایا کرتے تھے، کہ اپنے آپ کو شیخ کے اس طرح حوالے کر دو جیسے مردہ غسل دینے والوں کے قبضہ میں ہوتا ہے کہ جدھر غسل دینے والے الل دیں وہ پلٹ جاتا ہے اس کا اپنا کوئی ارادہ اور اختیار نہیں ہوتا، اسی طریقہ سے اپنے آپ کو شیخ کے حوالے کر دو کہ جس کام میں وہ لگائے، جو ہدایت وہ دے، جو مشورہ وہ دے اس کو بے چون و چرا اختیار کرلو، یاد رکھئے! باطن کی اصلاح یعنی دل کے اخلاق و اعمال کی اصلاح کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا، اس کے بغیر آدمی پورا مسلمان بھی نہیں ہوتا، خوب ذہن نہیں کر لجیے، آپ فقہ باطن کے بغیر عالم دین نہیں بن سکیں گے، اس لیے اب پوری لگن کے ساتھ کسی شیخ کی تربیت و صحبت میں رہ کر اس کام میں لگیں۔ یہ کام درس و تدریس وغیرہ کے ساتھ بھی چل سکتا ہے۔

تعلیم میں ہمارے طلباء کی مثالی محنت اور لگن:

الحمد للہ ایک بات یہ ہے کہ جس نوعیت کی محنت ہمارے دینی مدارس کے طلباء کرتے ہیں اور پڑھنے کے زمانے میں جس عظیم مجاہدے سے یہ گزرتے ہیں اس کی نظری اس وقت شاید ہی کسی اور جگہ ملتی ہو، آپ کوشاید خوشگوار تجھب ہو گا کہ دورہ حدیث کے ان

تمین سو پچانوے طلباء نے اس طرح اس باق پڑھے ہیں کہ صحیح کو آٹھ بجے سے درس شروع ہوتا تھا تقریباً ساڑھے بارہ بجے تک، پھر سہ پہر کو تین بجے سے عصر تک، پھر مغرب سے لے کر رات کے تقریباً پونے بارہ بجے تک ان کا درس ہوتا تھا، کیا وقت باقی بچا؟ عصر سے مغرب تک کا وقت تاکہ اس میں کچھ چہل قدمی کر لیں، جسمانی ورزش کر لیں، دو پہر کا تھوڑا سا وقت تاکہ اس میں کچھ آرام کر لیں، اور نمازوں کا وقت، باقی سارا وقت ان کا "قال اللہ قال الرسول" میں خرچ ہوا۔ ان ۳۹۵ طلبہ میں سے ۹۰ طالب علم اللہ کے فضل و کرم سے ایسے سعادت مند اور مستقل مزاج ہیں کہ انہوں نے اپنے درس کے کسی حصے میں پانچ منٹ کا بھی ناغنہیں کیا، پورا سال تقریباً دس پیریڈ ان کے روزانہ ہوئے ہیں کسی پیریڈ میں، کسی گھنٹے میں انہوں نے چھٹی نہیں کی، نہ رخصت علالت لی، نہ رخصت اتفاقی لی، نہ تاخیر سے پانچ، استاذ جب درگاہ میں آتا تھا یہ پہلے سے ہاں موجود ہوتے تھے، نتیجہ یہ ہے کہ جتنی حدیثیں دورہ حدیث کے سال میں آئی ہیں وہ ساری کی ساری حدیثیں انہوں نے پڑھی ہیں کوئی حدیث ان سے نہیں چھوٹی، دورہ حدیث کے ۳۹۵ طلباء میں سے ایسے طلباء کی تعداد نوے ہے، میں نے سرسری حساب کیا کہ انہوں نے کتنی حدیثیں سال بھر میں پڑھی ہیں تو تقریباً اٹھائیں ہزار حدیثیں بنتی ہیں، یہ معمولی مجاہدہ نہیں۔

ایک طالب علم مجھ سے ملا وہ دورہ حدیث کا طالب علم نہیں تھا، بلکہ مرحلہ ثانویہ عامہ یا خاصہ کا طالب علم تھا، اُس نے بہت ہی بے تابی کے عالم میں کہا کہ حضرت میرے لیے دعا فرمادیں مجھے سخت پریشانی ہے آج کل۔ میں سمجھا گھر سے کوئی خبر آئی ہو گی، مجھے اُس پر رحم آگیا، اس کے چہرے سے بے چینی بہت محسوس ہوتی تھی، میں نے پوچھا بیٹا کیا بات ہے؟ تمہیں کیا پریشانی ہے؟ اس نے کہا کہ میں دن بھر اور رات کے اکثر حصے میں پڑھنے میں لگا رہتا ہوں میری نیند بھی پوری نہیں ہوتی، مگر اس کے باوجود میرا مطالعہ پور نہیں ہوتا، وہ اس سے پریشان تھا، الحمد للہ یہ لیکن ہمارے طلباء میں ہوتی ہے۔

غرض نوے طلباء تو وہ ہیں جن کی کوئی حدیث کسی درس میں نہیں چھوٹی، ان کے

علاوہ مزید ۲۵ طلباً ایسے ہیں کہ بخاری شریف کی ان کی کوئی حدیث نہیں چھوٹی، یہ معمولی مجاہد نہیں۔

مثالی عزم:

ایک بہت ہی تجرب خیز اور سرتانگیز بات یہ ہے کہ انہی دورہ حدیث سے فارغ التحصیل ہونے والے ۳۹۵ طلباء میں سے ایک صاحب عزم طالب علم محمد اسد الحسین ایسا بھی ہے (میں چاہوں گا کہ اس وقت وہ یہاں اشیع پر آ جائیں) خاص بات اس طالب علم کی یہ ہے۔ آپ اندازہ کیجیے اس کے مجاہدے کا، اس کے عزم و استقلال کا۔ کہ آٹھ سال سے یہ دارالعلوم میں زیر تعلیم ہے، اس آٹھ سال کے عرصہ میں کسی دن کسی پیریڈ میں کسی بھی سبق میں اس نے نہ کوئی غیر حاضری کی ہے نہ رخصت لی ہے نہ کوئی رخصت لی ہے نہ کوئی غیر حاضری کی ہے نہ رخصت علاالت لی، آپ اندازہ کیجیے اس کے عزم و استقلال کا، یہ معمولی بات نہیں ہے کہ کوئی طالب علم آٹھ سال اس طرح گزارے کہ کسی ایک گھنٹہ اور کسی ایک پیریڈ میں بھی رخصت نہ لے، غیر حاضری تو بہت بڑی بات ہے، اللہ تعالیٰ اس کے علم میں، عمل میں، اور عمر میں برکت عطا فرمائے، یہ دارالعلوم کے شعبے دارالتریبیت کے سابق انتالیق مولانا نور الحسن صاحب کے صاحبزادے ہیں، اصل وطن ان کا برما تھا لیکن جب وہاں کیوں نہیں ہوئے تو وہاں سے بہت سے لوگ ہجرت کر کے پاکستان آگئے تھے، تقریباً چالیس سال سے یہ حضرات نبیین آباد ہیں۔ اس طالب علم کو انشاء اللہ خصوصی انعام بھی دیا جائے گا۔

الحمد للہ تعالیٰ سال کا یہ سفر آج پورا ہوا ہے، ہم سے بہت سی کوتا یہاں ہوئی ہیں، پرہیز کرنے بے شمار گناہ ہوئے ہیں۔ آج کا دن اس پر بھی توجہ دلاتا ہے کہ ہم اپنی کوتا ہیوں پر نظر کریں اور اللہ تعالیٰ سے ان کی معافی طلب کریں۔

طلباً اور اساتذہ کی تعداد:

الحمد للہ اس سال ہمارے ہاں جامعہ دارالعلوم میں طلباء کی کل تعداد ۳۶۰ تھی،

جامعہ سے متعلق مکاتب میں زیر تعلیم طلباء و طالبات ان کے علاوہ ہیں اور اساتذہ اور معلمات کی تعداد دوسو بیانیں ۲۰۲۲ تھی، جو دارالعلوم اور اس کے مختلف شعبوں میں اور شاخوں اور مکابت میں تدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں، اور غیر تدریسی عملے کی تعداد ایک سو تین ۱۳۲ ہے، اس طرح کل ۲۷۳۲ افراد ہیں جو الحمد للہ اس ادارے کی اور اس کے طلباء کی خدمت میں شب و روز لگے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی عمروں میں برکت عطا فرمائے اور ہمارے کاموں میں اخلاص اور رہنمائی اور دشکیری فرمائے۔

زیر تعمیر جامع مسجد:

الحمد للہ دارالعلوم کی اس زیر تعمیر جامع مسجد کے مرکزی ہال میں آج ختم بخاری کا ہم نے درس پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ ہال اب تکمیل کے قریب ہے، آٹھ دس سال سے اس مسجد کی تعمیر کا سلسلہ جاری ہے، اور کوشش یہ ہے کہ یہ ہال اب کے رمضان سے پہلے پہلے مکمل ہو جائے تاکہ قدیم مسجد سے ہم یہاں رمضان میں منتقل ہو جائیں اور پرانی مسجد کو توڑ کر اس کو بھی اس نئی مسجد میں شامل کرنے کا کام شروع کیا جاسکے۔ اس مسجد کی تعمیر میں اب تک دس (۱۰) کروڑ انہتر (۶۹) لاکھ روپے خرچ ہو چکے ہیں، اور یہ کرم ہے اللہ رب العالمین کا اور برکت ہے ہمارے بزرگوں کی کہ آپ نے کبھی نہیں دیکھا ہو گا کہ دارالعلوم کراچی کی اس کی مسجد کے لیے چندے کرنے کے لیے لوگ پھر رہے ہوں، اخبارات میں اشتہارات آرہے ہوں، سفیر دورے کر رہے ہوں، الحمد للہ الحمد للہ۔ اگرچہ اس طرح کے نیک کاموں کے لیے چندہ کرنا اور اس کے لیے اعلان کرنا بھی شرعاً منوع اور ناجائز نہیں، لیکن آج کل بعض اسباب کی بناء پر چندوں کے اعلانات بدنامی کا شکار ہو گئے ہیں، اس لیے ہمارے بزرگ ان سے بڑی حد تک احتساب کرتے تھے، اور یہی بھی یہی ہدایت فرمائے ہیں۔ البتہ بزرگوں کے طریقے کے مطابق یہ ضرور ہوا کہ جب زیادہ قرضہ ہو گیا تو ہم نے لوگوں کو بتلا دیا کہ یہ کام چل رہا ہے آپ کے علم میں لانا مقصود ہے کہ اتنا

قرضہ ہو گیا ہے، ہم نے یہ بھی نہیں کہا کہ دیجیے، لیکن اللہ کا بڑا فضل و کرم ہے احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنا کام کردا دیا ہے اور اندازہ یہ ہے کہ تقریباً سوا چار کروڑ روپے مزید خرچ ہوں گے اور یہ مسجد انشاء اللہ مکمل ہو جائے گی، آپ حضرات سے دعا کی درخواست ہے، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے اور آسانی سے اپنی رضا کے مطابق ریا و نمود کے جذبات سے ہمیں محفوظ رکھتے ہوئے مسجد کو خالص اللہ کی رضا کے لیے مکمل کروادے۔

الحمد للہ آپ یہاں بیٹھے ہیں اس ہاں کا فرش ماربل کا اعلیٰ درجہ کا تیار ہو چکا ہے اس میں صرف آخری گھسائی اور پالش کا کام باقی ہے اور اسی طریقہ سے یہ بڑا برآمدہ آپ دیکھ رہے ہیں پچاس فٹ چوڑا اور تین سو بیس فٹ لمبا برآمدہ ہے اس کا فرش بھی مکمل ہو چکا ہے، اسی طریقہ سے دائیں بائیں کے کوریڈور آپ دیکھ رہے ہیں ان کا اور ان کے اوپر کے جو کوریڈور ہیں ان سب کا فرش بھی اللہ کے فضل و کرم سے ماربل کا پڑچکا ہے۔ اور ہر ایک مصلیٰ کی جگہ جو ماربل لگا ہے جس میں ایک ایک آدمی کے کھڑے ہونے کی گنجائش ہے اس کا خرچ ستائیں سو (۲۷۰۰/-) روپے ہے، جو ہم نے کبھی کبھی مسجد میں لوگوں کو بتا دیا، الحمد للہ لوگوں نے اس میں حصے لیے، کسی نے ایک مصلیٰ اپنی طرف سے کروایا، کسی نے دس کروائے، کسی نے سو کروائے، کسی نے سو سے زیادہ بھی کروائے، اللہ کے فضل و کرم سے پوری مسجد کا نصف فرش مکمل ہو گیا ہے، لیکن اتنی بات آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں تاکہ آپ حضرات دعائیں بھی یاد رکھیں کہ مصلوں کے سلسلے میں بیالیس (۳۲) لاکھ روپے قرض ہو گیا ہے، ایک مصلیٰ ستائیں سو (۲۷۰۰/-) روپے میں بن رہا ہے۔

تفسیر معارف القرآن کا انگریزی ترجمہ:

الحمد للہ یہ خوشخبری آپ نے ابھی سنی ہے کہ تفسیر معارف القرآن کی پوری آنٹھ جلدیں کا انگریزی ترجمہ کمل ہو کر کل ہی آخری جلد وصول ہوئی ہے۔ اللہ رب العالمین نے برادر عزیز شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سے اتنا بڑا کام لیا ہے یہ

بزرگوں کی دعاؤں کی برکت ہے، اللہ رب العالمین ان کے علم میں عمل میں اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اگرچہ ترجمہ کے کام میں دوسرے حضرات بھی شریک تھے، لیکن انہیں اس ترجمہ کا ایک ایک حرф دیکھنا پڑا، اور جگہ جگہ اس میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں، ترمیمیں کرنی پڑی ہیں، شب و روز سفر میں بھی اس کے مسودات کو یہ ساتھ رکھتے تھے، جہاز میں اور ایئرپورٹ کے لاونچ میں بھی یہ کام جاری رہتا تھا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں اور ان کی زیر نگرانی یہ عظیم الشان کارنامہ انجام دلادیا۔ ولہاً الحمد۔

تکملہ فتح الالمبیم:

اسی طرح یہ بھی دارالعلوم کراچی کا ایک بڑا سرمایہ امتیاز ہے کہ فتح الالمبیم صحیح مسلم کی شرح جو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کی تھی اور تقریباً آٹھی کتاب کی شرح ۳ جلدوں میں تصنیف فرمائی تھے کہ انتقال فرمائی گئے۔ اور شرح ناکمل رہ گئی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کی وفات کے بعد اکابر علماء کی یہ تمنا رہی کہ یہ شرح مکمل کرنے کی سعادت اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرمادے، حضرت مولانا یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہ تمنا رہی، اللہ رب العالمین کا کرم ہے اور ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعا اور رہنمائی کا فیض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے برادر عزیز مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کے ذریعہ فتح الالمبیم کو بھی مکمل کروادیا۔ پچھلے تقریباً ۱۲ سو سال میں صحیح مسلم کی شرحیں اگرچہ درجنوں اور بیسوں لکھی گئی ہیں جو اپنے وقت میں باشیر عظیم الشان قرار دی گئیں، لیکن بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت ان تمام شرحوں میں فتح الالمبیم اور تکملہ فتح الالمبیم کی کوئی نظر نہیں ہے، اور میں اس وجہ سے پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہہ رہا ہوں کہ تقریباً ۳۵ سال سے الحمد للہ صحیح مسلم کا درس میرے سے متعلق ہے، اور صحیح مسلم کی جتنی بڑیں اب تک چھپی ہیں وہ ساری الحمد للہ میری نظر سے گزری ہیں، میں نے ان سے استفادہ کیا ہے، لیکن جو کمال اللہ تعالیٰ نے فتح الالمبیم اور تکملہ فتح الالمبیم کو عطا فرمایا ہے اس کی نظر کسی شرح میں نہیں، کیونکہ پچھلی شرحوں سے خوشہ چینی کر کے ان کی تقریباً ساری

خوبیاں اس میں جمع کر دی گئی ہیں، اور جدید عصری مشاغل پر سیر حاصل تحقیقی مباحثت ان کے علاوہ ہیں۔ یہ بھی اللہ رب العالمین نے اس دارالعلوم کے ذریعہ پورا کرایا، اللہ تعالیٰ دارالعلوم کو اور خدام دارالعلوم کو نظر بد سے بچائے اور اس کا فیض پوری دنیا میں قیامت تک جاری رکھے۔

دینی مدارس اور مغربی دنیا:

اب میں دینی مدارس کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ پچھلے کئی سال سے دینی مدارس نہ صرف ملک میں اور نہ صرف عالم اسلام میں، بلکہ پوری دنیا میں، خصوصیت سے مغربی دنیا میں زیر بحث ہیں، اور ان پر مختلف حیثیتوں سے مختلف انداز سے ریسرچ کا کام چل رہا ہے، دنیا بھر کے ممالک کے سفراء اور ان کے صحافی اور ان کے دانشوروں ہمارے پاس آ جا رہے ہیں، مدرسون میں آتے ہیں، ہم سے ملتے ہیں، مدرسون کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں، انہوں نے یہ سنا ہوتا ہے کہ ان مدرسون میں دہشت گرد ہوتے ہیں، خوفناک لوگ ہوتے ہیں، لیکن جب وہ مدرسون میں آتے ہیں تو ان کو پتہ چلتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کیسے اپنے انسان زیر تعلیم ہیں، الحمد للہ اس میں کوئی استثناء نہیں کہ مغربی اور مشرقی غیر مسلم ممالک کے جتنے ایسے نمائندے سرکاری یا غیر سرکاری آئے ہیں وہ یہاں سے غیر معمولی طور پر متاثر ہو کر گئے ہیں۔

ایک خاتون بھی جو انگلینڈ کی تھیں ان کا ہمیں پیغام ملا پاکستانی حکام کے ذریعے کہ وہ دارالعلوم دیکھنا چاہتی ہیں، ہمارے یہاں اصول یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اصول پر ہمیں اخلاص کے ساتھ، پابندی کے ساتھ قائم رکھے۔ کہ خواتین کے بے پرده درس گا ہوں میں جانے کی اجازت نہیں ہے، وہ کسی اونچے عہدے سے متعلق تھیں، اور غالباً صحافت سے بھی ان کا تعلق تھا، پاکستانی حکام سے ہم نے کہا اہلا و سہلا وہ خاتون ضرور آئیں، مدرسۃ البنات میں وہ آئیں، وہاں معلمات اور صدر معلمہ ان کا استقبال کریں گی۔ اور صدر معلمہ الحمد للہ میری الہمیہ ہیں، الحمد للہ جب سے مدرسۃ البنات قائم ہوا ہے وہ اعزازی اور رضا کارانہ طور پر

مدرسۃ البنات کی یہ خدمت انجام دے رہی ہیں۔ تو ہم نے کہا کہ ہماری بیگم ان کا استقبال کریں گی، اور مدرسۃ البنات کا دورہ کروائیں گی، معلمات اور طالبات کے ساتھ جلسہ ہو گا اور طالبات اپنا پروگرام پیش کریں گی۔ لیکن انہوں نے پیغام بھجوایا کہ ہم تو آپ حضرات کے ساتھ بھی مینگ رکھنا چاہتے ہیں، ہم نے ان کو جواب بھجوایا کہ ان شاء اللہ یہ بھی ہو جائے گا، لیکن اس کا طریقہ یہ ہو گا کہ جب وہ مدرسۃ البنات میں آئیں گی تو وہاں کی معلمات ایک خوبصورت چادر ان کو تختہ میں دیں گی، اور چادر ان کو اوڑھائیں گی، وہ چادر اوڑھ کر ہمارے مینگ روم میں آجائیں وہاں ہم لوگوں سے ملاقات ہو جائے گی، چنانچہ الحمد للہ دادا یے ہی ہوا۔ وہ چادر اوڑھ کر ہمارے ساتھ مینگ میں بھی شریک ہوئیں اور غیر معمولی اثرات لے کر اس جامعہ سے رخصت ہوئیں۔ الحمد للہ۔

عربی کا مشہور مقولہ ہے کہ ”النَّاسُ أَعْدَاءٌ لِمَا جَهَلُوا“ یعنی لوگ اُس چیز کے دشمن ہو جاتے ہیں جس سے وہ واقف نہیں ہوتے، مغربی میڈیا خاص طور سے یہودی میڈیا نے دینی مدارس کا ایسا خوفناک تصور پوری دنیا میں پھیلایا ہے کہ لوگ طرخ طرح کی باتیں سوچتے ہیں لیکن جب یہاں آتے ہیں تو ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ ابھی چند روز پہلے کی بات ہے کہ ناروے کے وزیر یا سفیر تھے وہ آئے، اسی طرح جرمی کے آئے اور جب یہاں سے گئے تو انہوں نے غیر معمولی تعریفیں وہاں جا کر کیں، مجھے وہاں کی روایتیں ملی ہیں، انہوں نے جیرت کا اظہار کیا کہ دارالعلوم کیا ہے وہ تو عظیم الشان تعلیمی ادارہ اور یونیورسٹی ہے، الحمد للہ ہماری خواہش ہے۔ بلکہ اب ضرورت ہو گئی ہے۔ دنیا بھر کے لوگ صحافی، دانشور، فلاسفہ، سائنسدان اور تعلیمی میدان کے ماہرین، سیاسی لیڈر، سرکاری احکام اور وزراء آ کر ہم سے ملیں اور ان مدرسوں کو دیکھیں اور ان کے حالات کو جانیں، ان شاء اللہ امید ہے کہ وہ متاثر ہو کر جائیں گے۔

جہاد اور جنگی قیدی:

سب سے زیادہ ان کا سوال جہاد کے بارے میں ہوتا ہے، ہم ان کو بتاتے ہیں

کہ جہاد اور عام جنگ میں زمین آسمان کا فرق ہے، عام جنگ کچھ اور ہے، جہاد کچھ اور، جہاد ایک مقدس عمل ہے جس کی بہت سی شرطیں ہیں بہت سی پابندیاں ہیں مثلاً یہ کہ دشمن کے ساتھ بھی عہد شکنی کسی حالت میں نہ کی جائے، عین جنگ کے اندر بھی دشمن کے کسی بچ کو، کسی عورت کو، کسی بڑھ کو یا کسی مذہبی پیشوائو کو گزندشت پہنچائی جائے، اور دشمن کا جو شخص آپ سے لڑ رہا ہے اس کے بھی ناک، کان، آنکھ نہ کاٹے جائیں، اور اگر دشمن قید میں رکھا جائے تو ان کو تمام انسانی حقوق دیئے جائیں، اور ان کا معقول انتظام کیا جائے، وہ ظلم نہ ہو جو اب غریب جبل میں عراق میں مسلم قیدیوں کے ساتھ کیا گیا ہے، وہ کام نہ ہو جو کیوبا میں افغانستان کے قیدیوں کے ساتھ ہوا ہے۔ یہ بات میں نے امریکہ کی بھی ایک تقریر میں کہی تھی، واشنگٹن میں ایک بڑا اجتماع تھا وہاں کی بات ہے جب پوری دنیا میں غلامی کا رواج تھا، اور یہ بھی بتایا کہ اسلام میں غلام صرف جنگی قیدیوں کو بنایا جاتا تھا، جبکہ دنیا میں اُس وقت جنگل کا قانون چل رہا تھا کہ جس طاقتور کو موقع ملتا وہ کمزور کو غلام بنایتا تھا، غلام بنانے کے لیے کسی شرط کی پابندی نہیں تھی، غلاموں کے کوئی حقوق نہیں تھے۔ ہر ایک کو غلام نہیں بنایا جا سکتا اور جنگی قیدیوں کو بھی غلام بنانے کے لیے کڑی شرطیں ہیں اور اب وہ شرطیں نہیں پائی جاتیں اس لیے اب بحالت موجودہ کسی کو غلام نہیں بنایا جا سکتا، اور جنگی قیدیوں کو غلام تمام شرائط کے ساتھ بنایا جائے تو ان کے بھی بہت سے حقوق ہوتے تھے، تو میں نے اس اجتماع میں کہا کہ کیوبا کے جو قیدی ہیں ان کے مقابلے میں وہ جنگی قیدی بدرجہ اخوش قسمت ہوں گے جو بالفرض اسلام کے قاعدے کے مطابق غلام بنائے جائیں، کیوبا کے اندر مسلم قیدیوں کے ساتھ جو انسانیت سوز سلوک کیا گیا، اسلام میں ہرگز اس کی گنجائش نہیں، الحمد للہ۔

دعوت الی اللہ:

ایک بات میں آپ سے عرض کروں گا کہ اعدادے اسلام کی سمجھ میں اب یہ بات آگئی ہے کہ اسلام کی اصل طاقت ان مدرسون میں ہے، اسلام کے اصلی قلعے یہ

درسے ہیں، یہی وہ درسے ہیں جہاں سے تبلیغ نکلتی ہے اور دعوت الی اللہ کے قافلے تیار ہوتے ہیں، یہی وہ درسے ہیں جہاں دین کے دوسرے مسائل کی طرح جہاد کے مسائل بھی پڑھائے جاتے ہیں، اور اللہ کے راستے میں جہاد کا ذہن تیار ہوتا ہے۔ یہی وہ درسے ہیں جہاں سے دین کی اسلام کی اشاعت ہوتی ہے، اور یہی وہ درسے ہیں جن کے اندر دین کی اعلیٰ سطحی تعلیم دے کر علماء دین تیار کیے جاتے ہیں۔ اور قرآن و سنت کے علوم کو زندہ رکھا جاتا ہے۔ اب وہ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ اگر اسلام کو مٹانا ہے اور مسلمانوں کو مٹانا ہے تو سب سے پہلے ان مدرسون کو مٹانا ضروری ہے، تو میں خاص طور پر طلبہ سے کہوں گا کہ یاد رکھو! اس وقت پورے عالم کفر کی دشمنیوں کا نشانہ تم ہو، تمہارے اوپر سب سے زیادہ نظریں ہیں، پاکستان کے ایسی پلانٹ پر شاید ان کی اتنی نظریں نہ ہوں جتنی نظریں تمہارے اوپر ہیں، وہ تمہیں اپنا بدترین دشمن سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ غلط سمجھتے ہیں، تم ان کے دشمن نہیں ہو، تم تو داعی الی اللہ ہو، ان کو جنت کی طرف بلانے والے ہو، تم اپنے عمل سے بتاؤ کہ تم ان کے دشمن نہیں بلکہ خیر خواہ ہو، اور داعی الی اللہ ہو، اللہ کی طرف لانے اور دعوت دینے والے ہو، اور جہنم سے بچا کر جنت میں پہنچانے والے ہو۔

سنت انبیاء سے کام لو ”وقولا له قولا لينا“۔ پر عمل کرو اور ”ادع إلى سبیل رب بالحكمة والموعظة الحسنة“، پر عمل کرو کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے کافروں کو کس طریقے سے محبوں سے، پیارے سے، خیر خواہی سے سمجھا کہ خوشامدیں کر کر کے ان کو دعوت الی اللہ دی ہے، تم بھی داعی الی اللہ بنو، دنیا غلط سمجھتی ہے کہ تم ان کے دشمن ہو، تم ان کے خیر خواہ ہو، محبت کرنے والے ہو، تم ان کے لیے نجات دہنده بننا چاہتے ہو، یہ اپنے عمل سے ثابت کرو، آپ کا عمل ایسا ہونا چاہیے کہ دنیا کو آپ کی طرف سے محبت کا، سلامتی کا اور خیر خواہی کا پیغام ملے۔

اہل مدارس سے ایک درخواست:

آپ سے میری درخواست یہ ہے کہ ان مدرسون کے خلاف چھاپے پڑ رہے

ہیں طرح طرح کی سازشیں ہو رہی ہے اور بلاشبہ بیرونی دباؤ بہت ہے ہماری حکومت پر، لیکن اللہ کے بھروسے پر ایک بات کہتا ہوں کہ خدا خواستہ اگر ان مدرسوں پر کوئی براؤقت آیا تو وہ ہماری بد اعمالیوں کی وجہ سے آئے گا۔ حکمت کے بغیر کام کرنے کی وجہ سے آئے گا، سنت انبیاء کو چھوڑنے کی وجہ سے آئے گا۔ فرقہ واریت کی باتوں سے آئے گا۔ مالی امور میں حساب کتاب کی گزبر سے آئے گا، تقویٰ کی کمی سے آئے گا، اخلاص کی کمی سے آئے گا، حبٰ جاہ کی وجہ سے آئے گا۔ حبٰ مال کی وجہ سے آئے گا۔ اگر یہ باتیں ہمارے اندر نہ ہوئیں، ہم نے اخلاص کے ساتھ، تقویٰ کے ساتھ، سنت انبیاء کو سامنے رکھ کر۔ اور جو کچھ ہم نے ان احادیث میں پڑھا ہے اور قرآن کریم نے جو کچھ تعلیم ہمیں دی ہے، انبیاء کرام کا جو طریقہ ہمیں سکھلایا ہے ہم اسی پر کار بند رہے تو۔ ان شاء اللہ، ان شاء اللہ۔ اللہ کے بھروسے پر عرض کرتا ہوں۔ کوئی ان مدرسوں کا بال بیکانہیں کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے گا۔ میری درخواست آپ سب حضرات سے یہی ہے کہ اخلاص اور تقویٰ کو اپنا شعار بنائیں، مدرسوں کے اندر جو چندہ آتا ہے اس کو بہت احتیاط سے استعمال کریں، اور صرف احتیاط سے استعمال کرنا کافی نہیں، حساب کتاب بھی صاف ہونا چاہیے اور حساب کتاب کا صاف ہونا نظر بھی آنا چاہیے۔ کاغذات میں حسابات میں بالکل ایک ایک چیز آپ ثابت کر سکیں کہ جو چندہ آیا تھا وہ کہاں لگا ہے۔

ہماری اطلاعات یہ ہیں کہ مدرسوں کو موردا الزام ٹھہرانے اور بدنام کرنے کے لیے اور ان کے خلاف کارروائیاں کرنے کے لیے حسابات کو ذریعہ بنایا جائے گا۔ کچھ اطلاعات ہمیں ملی ہیں، اس وجہ سے میں اہل مدارس سے درخواست کرتا ہوں کہ الحمد للہ آپ حضرات بڑے اخلاص سے کام کر رہے ہیں حساب کتاب بھی صاف سہی۔ مگر حساب کتاب ایسے انداز میں رکھیے جس کو دنیا حساب کتاب سمجھتی ہوتا کہ کسی کو انگلی رکھنے کا موقع نہ ملے سکے۔

حضرت والد ماجدؓ کا ایک واقعہ:

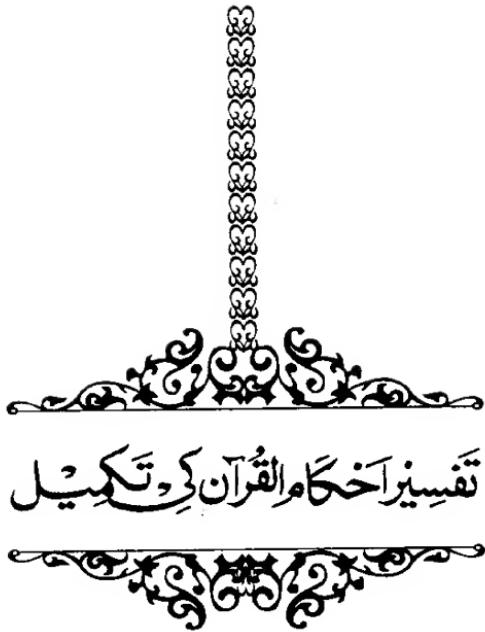
میں اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سناتا ہوں انتقال سے چند روز پہلے کی بات ہے فرمانے لگے دیکھو وہ ایک تاریخکا ہوا ہے اس کے اندر بہت سارے کاغذ ہیں پروئے ہوئے، وہ تاریخلاو، میں اٹھا لایا تو اس پر بہت سارے کیش میبو تھے دارالعلوم کے مطبع سے آتا کھانا خریدا تھے پیسے، اور ذاتی کال ٹیلی فون پر کی اس کا معاوضہ اتنے پیسے، دارالعلوم کی گاڑی ذاتی کام میں استعمال ہوتی اس کے پیسے جمع کرائے گئے اس کا کیش میبو، غرض رسیدوں اور کیش میبوں کا ایک موٹا گڈا اتھا، فرمایا کہ اگرچہ اس کا حساب مکمل ہو چکا، میں ادا یگل بھی کر چکا، اب ان کو محفوظ رکھنے کی کوئی اور ضرورت نہیں، لیکن میں اس واسطے رکھتا ہوں کہ بعض لوگ تہمت لگایا کرتے ہیں اہل مدارس پر کہ یہ لوگ چندہ کھاتے ہیں، مدرسہ کا پیسہ کھاتے ہیں، یہ میں نے اس واسطے رکھا ہوا ہے کہ اگر کوئی اعتراض کرے تو اس کے منہ پر دے کر مار سکوں کہ لواس کو دیکھو۔ حالانکہ اس زمانے میں مدرسوں کے خلاف ایسی باتیں بھی نہیں تھیں جیسی اب ہو رہی ہیں، اس وجہ سے میری درخواست خاص طور سے طلبہ سے بھی ہے کیونکہ ان شاء اللہ آپ جا کر اپنے مدرسوں سے متعلق ہوں گے، کوئی مدرس بننے گا، کوئی اور ذمہ دار یاں اٹھائے گا، اپنے مدرسوں کے حسابات کو اور وہاں کی اخلاقی تربیت کو اور وہاں کے تعلیم کے معیار کو اپناب سے بڑا ہم مقصد بنائیں، اللہ ہر قسم کے فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔

فرقہ واریت سے اجتناب ضروری ہے:

ایک بات اور عرض کروں، کہ فرقہ واریت سے اجتناب کریں، ہمارے بعض دینی حلقوں میں یہ عادت پڑ گئی ہے کہ تقریر کرتے ہیں تو وہ کسی نہ کسی فرقے کے خلاف ہوتی ہے، دیوبندی بریلوی کے خلاف، بریلوی دیوبندی کے خلاف، اہل حدیث غیر اہل حدیث کے خلاف تقریریں کرتے ہیں، یاد رکھئے دشمن ان اختلافات کو نہیں جانتا وہ تو آپ کا بھی دشمن ہے، ہر کتب فکر کا، ہر مسلک کا دشمن ہے۔ وہ دشمن ہے اللہ و رسول کے مانے والوں کا، اس واسطے خدا کے لیے ان فرقہ واریت کے جھگڑوں کو چھوڑ دیجیے، فرقہ

واریت کی اجازت شریعت نے کبھی بھی نہیں دی۔ کسی بھی صورت میں اجازت نہیں دی۔ ان بالوں کو چھوڑ بیجے امت کو دین کا ثابت پیغام پہنچا یے عوام کو کیا کرنا ہے؟ اور کن چیزوں سے پہنچا ہے؟ اس کی تعلیم دیجئے، ان شاء اللہ خیر و برکت ہوگی اور کامیابی ان شاء اللہ ہمارا مقدر بنے گی۔ ان طویل گزار شات کی معانی چاہتے ہوئے آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔

(وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين)



تَفْسِيرُ أَخْرَاجِ الْقُرْآنِ كِبِيل

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفع عثمانی مدظلہ

موضوع: تفسیر احکام القرآن کی تکمیل

مقام: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ، کامران بلاک لاہور

﴿تفسیر احکام القرآن کی تکمیل﴾

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمّن به
و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا (الى آخره)
اما بعد !

اعوذ بالله من الشيطان الرجيم .

بسم الله الرحمن الرحيم

﴿وَإِنَّزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نَزَّلَ إِلَيْهِمْ
لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾

تمہیدی یاتیں :

بزرگان محترم، حضرت علماء کرام، محترم گورنر پنجاب اور معزز حاضرین! اللہ رب العالمین کا بے پایاں فضل و کرم ہے کہ تقریباً آسی (۸۰) سال کے اس علمی اور تحقیقی سفر کی تکمیل اللہ رب العالمین نے اس ادارے دارالعلوم الاسلامیہ اور اس کے مہتمم صاحب کی شب و روز محنت کے نتیجے میں پوری فرمائی۔

مکمل کا کام باقی تھا اللہ رب العالمین نے اس ادارے سے اور اس ادارے کے فاضل مہتمم کی مساعی سے پورا فرمایا۔ ہمارے برا در محترم جناب ڈاکٹر محمد غازی صاحب نے بڑا پر مغز مقالہ ابھی آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ اور جب تک ان کے ذمہ وزارت کی ذمہ داریاں نہیں تھیں، اس سے پہلے تو ان کی اس قسم کی علمی تقریریں اور تحریریں سامنے آتیں رہتی تھیں۔ کچھ عرصہ ہم نے اسلام نظریاتی کونسل میں مل کر کام بھی کیا ہے اور مجھے ہمیشہ اس بات کی خوشی رہی ہے کہ اللہ نے اس معاملے میں ان کو ذہنی رسال عطا فرمایا ہے اور محنت کا ذوق بھی عطا فرمایا ہے۔ لیکن وزارت کی موجودہ ذمہ داری کے ساتھ جواہم معلومات آج اس مقالے میں سامنے آئیں وہ توقع سے زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں اور عمر میں برکت عطا فرمائے اور جو منصب اللہ نے ان کو عطا فرمایا ہے اس منصب کو ملک اور ملت کے لیے اور دین کی ترقی اور استحکام کے لیے بہترین ذریعہ بنائے۔

وقت چونکہ کافی ہو چکا ہے اور نظام الاوقات کے حساب سے تو مجھے تقریختم کرنی چاہیے دس بجے کر پندرہ منٹ پر۔ صرف تین منٹ باقی ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلسہ کے منتظمین نے اس معاملے میں تھوڑی سی سہولت خطاب کرنے والے حضرات کو دے رکھی ہے۔ میں اس سہولت سے کوئی ناجائز فائدہ تو نہیں اٹھانا چاہتا، لیکن ضروری حد تک فائدہ حاصل کر کے بس مختصری ایک دو باتیں جو میرے نزدیک اس مجلس کے لیے شاید ضروری ہوں انہیں پر اکتفاء کروں گا۔

استنباط احکام میں اکابر کی محنتیں:

میں بہت مختصر بات کروں گا۔ آپ نے ابھی ڈاکٹر غازی صاحب کے مقالے میں اس بات کا مختصر سجاہنہ سنایا کہ کس طرح صحابہ کرامؐ نے قرآن کریم کی آیات سے احکام کو مستبط کرنے کے لیے محنتیں کیں۔

اور کس طریقہ سے قرآن کی باریکیوں سے احکام کو نکلا اور امت میں بعد میں آنے والے اہل علم کے لیے احکام کو مستبط کرنے کے اصول فراہم کیے اس سلسلہ میں

آپ نے امام شافعی کا واقعہ اور دوسرے بزرگوں کے واقعات بھی سنے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بر صغیر کے اعلیٰ درجے کے منتخب علماء جو اس وقت ان کو بہتر سے بہتر دستیاب ہو سکتے تھے ان کو احکام القرآن کے لکھنے پر مأمور کیا تھا، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ (صاحب اعلاء السنن) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحبؒ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیق صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی جیل صاحبؒ۔

ایک عام سوال اور اس کا جواب:

یہاں ایک سوال ہے جو عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں آیا کرتا ہے بس اس کو صاف کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ یہ واقعہ ہے کہ قرآن کریم سے احکام نکالنے کا کام اتنا مشکل تھا کہ چوٹی کے دماغ اس پر لگ رہے اور چودہ سو سال سے بھی زیادہ عمر صد گزر چکا ہے وہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ بلاشبہ یہ بہت مشکل کام ہے، غیر معمولی ذہانت، غیر معمولی حافظہ، انتہائی گہرے اور وسیع درجہ کا علم حدیث اور عربی زبان کی مہارت وغیرہ بہت ساری شرطیں جب تک کسی شخص میں مکمل نہ ہوں وہ قرآن مجید کے احکام خود نہیں نکال سکتا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورہ قمر میں اللہ تعالیٰ نے بار بار ایک ارشاد فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

﴿وَلَقَدْ يَسَرُّنَا الْقُرْآنَ لِلَّهِ كُرْفَهُلْ مِنْ مُذَكَّرٍ﴾

”کہ ہم نے قرآن کو آسان کیا ہے نصیحت حاصل کرنے کے لیے (یاد کرنے کے لیے) کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟“
کئی بار یہ جملہ آیا ہے۔

قرآن کے لیے اعلیٰ درجہ کی مہارت کی ضرورت ہے:

تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن تو جگہ جگہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں اتنا آسان ہوں

کہ اعلان عام ہے تمام انسانوں کو کوئی بھی آکر اس سے نصیحت حاصل کر لے اور جو تفصیل ابھی آپ نے سنی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اتنا آسان نہیں ہے اس کے لیے بڑے گھرے علوم و فنون کی ضرورت ہے اعلیٰ درجہ کی مہارت کی ضرورت ہے۔

چنانچہ

پوری زندگیاں جن لوگوں نے لاگا دیں وہ بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکے کہ انہوں نے قرآن مجید کے سارے احکام نکال لیے ہیں۔ بہر حال یہ ایک سوال ہے۔ جس کا جواب سامنے آنا چاہیے۔ لیکن قرآن کریم نے اس سوال کا جواب بھی دیا ہے یہاں تو یہ فرمایا کہ

﴿وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلَّذِكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّذَكَّر﴾

لیکن دوسری جگہ پر قرآن کریم نے کہا سورۃ النحل میں کہ:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْدِكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ

﴿وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾

”ہم نے نازل کی ہے آپ کے اوپر یہ یادداشت یعنی قرآن کریم تاکہ آپ اس کو بیان کریں یعنی اس کی تشریح فرمائیں لوگوں کے سامنے۔“

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورۃ قمر میں تو اعلان عام ہے کہ ہر ایک اس سے نصیحت حاصل کر لے تو پھر، جب قرآن کریم اتنا آسان ہے کہ ہر ایک اس سے نصیحت حاصل کر سکتا ہے تو پھر اس کی تشریح تفسیر کی ضرورت ہی کہاں رہی؟ پھر رسول اللہ ﷺ کے ذمے یہ خدمت کیوں سپرد کی گئی کہ آپ اس کی تشریح کریں۔

مقاصد بعثت رسول ﷺ :

چار جگہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے، سورۃ البقرہ میں دو جگہ، سورۃآل عمران میں ایک جگہ، سورۃ الجمعہ میں ایک جگہ کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے چار مقاصد ہیں ان میں سے ایک مقاصد چاروں جگہ یہ بیان فرمایا گیا ہے:

﴿وَيَعْلَمُهُمُ الْكِتَابُ﴾

کہ ”قرآن کی تعلیم دیں۔“

یا ایک مقصد تھا رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا کہ آپ قرآن کی تعلیم دیں لوگوں کو، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مخاطب کون لوگ تھے، عرب تھے، ماہر ناز بلیغ و فصح شعراء تھے، ادیب تھے، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، علی مرتفع رضی اللہ عنہ، عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سب کی مادری زبان عربی تھی۔ عربی زبان کے ایسے ماہرین اُس زمانے میں موجود تھے۔ کہ اگر ان میں سے کوئی کھڑا ہو جائے تو فی البدیہ میں یوں اشعار کہہ ڈالے۔ ان کے لیے حضور ﷺ کو مامور کیا گیا کہ آپ قرآن کریم کی تعلیم ان کو دیں۔ ان کو قرآن سکھائیں کس کو؟، صدیق اکبر کو رضی اللہ عنہ کو، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو، عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کو جن کی مادری زبان عربی ہے اور جو رسول اللہ ﷺ کے رفیق خاص تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن اتنا آسان تھا کہ ہر ایک اس کو سمجھ سکتا تھا تو رسول اللہ ﷺ کے ذمہ یہ خدمت کیوں پردازی گئی کہ آپ اتنے بڑے بڑے ادیبوں، شاعروں، بلیغوں، فصحاء اور عربی زبان کے ماہرین کو قرآن سکھائیں۔

قرآن حکیم نے اس کا جواب دے دیا ہے، بلکہ جس آیت سے یہ سوال پیدا ہوا اسی میں جواب دے دیا اور کہا:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلّهِ كُرْفَهُلْ مِنْ مُذَكِّرٍ﴾

تفصیل اس کی یوں ہے: قرآن مجید کتاب ہدایت ہے، یہ نہ فلسفہ کی کتاب ہے۔ نہ سائنس کی کتاب، نہ صرف قانون کی کتاب ہے۔ نہ محض وعظ و نصیحت کی کتاب ہے، بلکہ یہ کتاب ہدایت ہے۔ اس میں اعلیٰ درجے کے علوم و فنون اور حکمت فلسفہ کے مضامین بھی آئے ہی، اسلامی قانون بھی آیا ہے۔ عقائد بھی آئے ہیں۔ عبادات کا بیان بھی آیا ہے۔ آئندہ کی خبریں بھی آئیں ہیں۔ پچھلی قوموں کے حالات کا ذکر بھی آیا

ہے۔ آخرت کا بیان بھی آیا ہے۔ اور اس میں پورے نظام زندگی کے اصول پوری بنی نوں انسان کو دیئے گئے ہیں، لیکن یہ صرف احکام کی کتاب نہیں کہ بس فقہ کی کتاب کی طرح اور پر سے لے کر آخرت کی پڑھتے جاؤ تو سارے احکام ترتیب و ارتل جائیں اور ختم ہو جائیں۔ نہیں۔ یہ اس لیے کہ یہ حامکانہ کتاب بھی ہے، حکیمانہ کتاب بھی ہے، اس میں قانون بھی آتا ہے، نصیحت بھی آتی ہے، وعظ و عبرت کی باتیں بھی آتی ہیں عقل و حکمت کے عجیب و غریب راز بھی اس میں واضح کیے جاتے ہیں۔

تو قرآن نے یہ کہا کہ:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلَّذِكْرِ فَهُلْ مِنْ مُذَكَّرٍ﴾

قرآن آسان ہونے کا مطلب:

کہ ہم نے قرآن کو آسان کیا ہے کس کام کے لیے؟ نصیحت حاصل کرنے کے لیے، ”الذکر“ کی قید لگادی کہ قران ہر کام کے لیے آسان نہیں، بلکہ نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان ہے، احکام و مسائل سمجھنے کے لیے آسان نہیں، اس کے لیے تو عمریں کھپانی پڑتی ہیں۔ اس میں مہارت کے لیے بڑے بڑے سخت مرحلے عبور کرنے پڑتے ہیں۔ لیکن ہاں نصیحت حاصل کرنے کے لیے اور یاد کرنے کے لیے آسان ہے۔ ذکر کے معنی دو آتے ہیں۔ یاد کرنا اور نصیحت حاصل کرنا تو قرآن کریم نے یہ بتلا دیا کہ سورہ تم्रیکی ان آیات میں جو بار بار فرمایا گیا ہے کہ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ﴾ یعنی ہم نے قرآن کو آسان کیا ہے، حفظ یاد کرنے کے لیے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے۔ چنانچہ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ دنیا میں کسی کتاب کے حافظ نہیں ہیں لیکن قرآن مجید کے حافظ موجود ہیں لاکھوں حافظ قرآن موجود ہیں، مسلمانوں کے بچے بھی حافظ قرآن ہوتے ہیں۔ کسی دوسری قوم کے پاس کوئی ایسی کتاب نہیں تو اللہ تعالیٰ نے حفظ قرآن کے لیے قرآن کو اتنا آسان کیا۔ نصیحت حاصل کرنے کے لیے بھی اتنا آسان کیا کہ کوئی شخص اگر عربی زبان جانتا ہے یا نہیں جانتا تو ترجمہ پڑھ لے تو اس کے دل پر گہرا اثر

ہوتا ہے۔ اگر وہ اس سے ہدایت یا نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ اسے مل جاتی ہے۔

قرآن سے احکام نکالنا انتہائی مشکل کام ہے:

جہاں تک احکام قرآن کا معاملہ ہے۔ یہ انتہائی مشکل کام ہے۔ یہ احکام قرآن، قرآن کریم کی آیات میں کہیں کہیں بالکل ظاہر ہیں اور کہیں کہیں یہ ایسے پوشیدہ ہیں جیسے سونے کی کان میں سونے کے ذرات بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان چنانوں کو توڑ کر اور پیس کر اور پوڈر بنا کر اس کو چھان کر اندر سے سونا نکالنا آسان کام نہیں ہے، اس کے لیے بہت پاپڑ بننے پڑتے ہیں اور اسی کے لیے ہمارے فقہاء کرام نے اور مفسرین نے اپنی عمریں لگائی ہیں۔ تو عام طور سے یہ مغالطہ ہو جایا کرتا ہے کہ چونکہ قرآن بہت آسان ہے اس لیے ہر ایک مفسر بننے کی کوشش کرتا ہے۔ بہت سے حضرات کو ہم نے دیکھا کہ عمر بھر کبھی انہوں نے نہ عربی سمجھی، نہ پڑھی اور جب سرکاری عہدے سے ریٹائرڈ ہو گئے تو معلوم ہوا کہ تفسیر قرآن لکھ رہے ہیں۔ بھی تفسیر قرآن آپ کیسے لکھ رہے ہیں؟ درحقیقت وہ یہ سمجھے ہیں کہ قرآن نے چونکہ کہا ہے کہ بہت آسان ہے اس واسطے بس ہم بھی تفسیر لکھ سکتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ احکام القرآن نکالنا اور استنباط کرنا بہت گھری مہارت اور بہت طویل محنت کا تقاضا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزاًے خردے اور ہمارے ان بزرگوں کی قبروں کو نور سے بھردے کہ انہوں نے یہ عظیم کارنامہ انجام دیا، اس زمانے کی ضرورت کے لحاظ سے امت کی رہنمائی فرمائی، اور اس زمانہ میں جو جدید مسائل پیدا ہوئے تھے ان کو قرآن کریم کی روشنی میں حل کیا۔ اللہ تعالیٰ امت کو اس سے اکتساب خیر کی توفیق عطا فرمائے۔

(وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين)

محمد عَرَبِيٌّ
الشَّاعِرُ وَالْمُؤْلِفُ
إِنْسَانِ الْكُلُوبِ وَالْأَطْيَابِ

مؤلف
دَاكْرُ ذُو الْفَقَارِ كاظم

بِيَتُ الْعُلُومِ

٢٠ - تَاجِهِرَةٌ وَدُبُرِيَّةٌ لِلْأَنْجَلِيِّ الْبَرِّيِّ، غَزَّةٌ، ١٤٣٥ هـ

قرآن حکیم

انساترکو پئیزیا

مؤلف
ڈاکٹر ڈالغ فقار حکیم

بیت العلوم

۰۳۰۳۲۸۳۵۱۰۰ - ناچہرہ روڈ، پیرماں امارکلی لاہور۔ فون:

انبیاء کرام

انسانیکا و پیغمبریا

مؤلف
ڈاکٹر ذوالفقار ناظم

بیت العلوم

۲۰۔ ناجحمد و دی پیرانی امارکلی لاہور فون: ۳۴۴۷۰۰۰